مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے — فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ — ہوائی ڈاک — بیس پونڈ — یا — بتیس ڈالر

بحری ڈاک — سات پونڈ — یا — گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

معارف

جلد ۱۵۶ عدد ۳ ۔ ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ ماہ ستمبر ۱۹۹۵ء

فہرست مضامین

شذرات

آزادی کے بعد ہی سے اردو تعصب اور تنگ نظری کا شکار رہی ہے سب سے زیادہ اردو دشمنی کا مظاہرہ اتر پردیش میں ہوا جو اردو کا سب سے بڑا مرکز تھا میاں چاہے کانگریسی حکومتیں برسرِ اقتدار رہی ہوں یا غیر کانگریسی سب کا رویہ اردو کے بارے میں یکساں معاندانہ اور جارحانہ رہا ہے۔ یہ سب اردو کو مٹانے اور اسے نیست و نابود کر دینے کے درپے رہیں، حکومت کے ذمہ دار اردو کا گن گاتے اور اس کی شان میں لچھے دار تقریریں بھی کرتے رہے اور اس کا گلا بھی گھونٹتے رہے۔ اردو کے انہی قصیدہ خوانوں نے آج اردو کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں آنجہانی ڈاکٹر سمپورنانند اسے پہنچانا چاہتے تھے چنانچہ اردو دشمنی کے اس ماحول میں سب کے علی الرغم اور پچھلے تمام وزرائے اعلا کی روش کے برخلاف اتر پردیش کے سابق وزیر اعلا بابو ملائم سنگھ یادو نے اردو کو اس کا جائز اور جمہوری حق دینے کا انقلابی اور جرات مندانہ اقدام کیا جس کی حامی موجودہ وزیر اعلا مس مایاوتی بھی تھیں اور اب بھی ہیں تو اردو پڑھنے والے عنقا ہو گئے ہیں اور اردو والوں کو اردو کے جس اچھے دن کا انتظار تھا اب گو اس کے آثار پیدا ہوئے ہیں مگر

راز ہے بہت گہرا بات اک ذرا سی ہے   وہ ہیں سامنے پھر بھی چشمِ شوق پیاسی ہے

اردو اساتذہ اور مترجمین کے تقرر میں ہونے والی بد عنوانیوں کے نتیجے میں اہل اور لائق افراد کے بجائے بے صلاحیت اور نا اہل لوگوں کا تقرر اردو دوستی نہیں ہے۔ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم کے معیار کی پستی سے کون واقف نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں مدارس اور عربی درسگاہوں کا معیار بہت بلند ہے جس کا اعتراف سب کو ہے۔ اس لئے ان مدارس اور عربی درسگاہوں میں تعلیم پانے کے بعد جو طلبہ ہائی اسکول اور انٹر کئے بغیر براہ راست بی۔ اے اور ایم۔ اے اردو میں کرتے ہیں یا ادیب ماہر اور ادیب کامل ہوتے ہیں۔ اردو میں ان کی استعداد سرکاری درسگاہوں کے انٹر پاس طلبہ سے بدرجہا اچھی اور بہتر ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انتظامیہ اور عدلیہ کو اردو معلمین و مترجمین کے تقرر میں انٹر کی تعلیم ہی کو معیار بنانا اور اس سے بہتر اور اچھے معیار کو نظر انداز کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ حکومت کو بھی آفتاب سے زیادہ روشن اس حقیقت کو جاننا اور سمجھنا چاہئیے اور اردو اساتذہ و مترجمین کے تقرر میں محض انٹر کی قید ختم کر دینی چاہئیے اور ان لوگوں کے تقرر میں لیت و لعل نہیں کرنا چاہئیے جو انٹر کے مساوی بلکہ اس سے اونچی ڈگری بھی رکھتے ہیں اور انٹر والوں سے اچھی اور بہتر صلاحیت کے حامل بھی ہیں۔ اتر پردیش کی حکومت اگر اردو کے معاملے میں نیک نیت ہے تو اسے انٹر کے مساوی اور اس سے اونچے معیار کی تعلیم پائے ہوئے اردو معلمین و مترجمین کی تنخواہیں روک کر انہیں پریشان کرنے والے سرکاری حکام کی سرزنش سختی سے کرنی چاہئیے۔

اردو کا مسئلہ حکومت سے زیادہ خود اردو والوں سے جڑا ہوا ہے۔ اردو کے تحفظ و بقا کی اصل ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے جس سے وہ پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے اردو کا جائز اور جمہوری حق دلانے کے لئے پر زور مطالبے کئے۔ بہت سی تحریکیں چلائیں۔ اس کے مقدمہ کو پوری قوت اور دلائل سے پیش کیا۔ اردو کے حق میں فضا بنانے کے لئے پر جوش نعرے لگائے لیکن یہ ساری جد و جہد دفاعی نوعیت کی اور اردو کے مخالفوں کے جواب میں کی گئی۔ کسی نے پیچھے مڑ کر یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اردو کی تعلیم کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا حلقہ سمٹتا جا رہا ہے۔ پرائمری اور سکنڈری اسکولوں اور خود اردو والوں کے گھروں سے اردو غائب ہوتی جا رہی ہے۔ ان کے اپنے بچے ہی مادری زبان میں تعلیم حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ وہ خود تو اردو کی محبت میں دیوانہ رہتے ہیں مگر ان کے بچے اس کی تعلیم سے محروم ہیں۔ آج جب اردو کو روٹی روزی سے جوڑنے کے لئے اردو ٹیچر اور مترجم مقرر کئے جا رہے ہیں تو اردو کے لئے چیخ و پکار کرنے والوں کے بچے انگلش میڈیم، نرسری اور کے جی اسکولوں میں داخلے لے رہے ہیں۔ آخر پرائمری اسکولوں میں طلبہ ہی نہ ہوں گے تو اردو ٹیچر کس کو پڑھائیں گے۔ دفتروں اور کچہریوں میں اردو میں درخواستیں نہیں دی جائیں گی تو مترجم موجود رہ کر کیا کرے گا۔ پھر ان کو دوسرے کاموں میں لگائے جانے کا شکوہ کیوں؟ جلد ہی وہ وقت آئے گا جب یہ کہہ دیا جائے گا کہ اردو ٹیچروں اور مترجموں کا کام ہی نہیں ہے۔ اس لئے ان کا تقرر غیر ضروری ہے۔

جو لوگ اردو کے اجارہ دار بنے ہوئے ہیں اور جن کے ہاتھوں میں اردو کے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی زمام کار ہے، جو سچ مچ اردو ہی کی روٹی توڑ رہے ہیں اور اسی کی بہ دولت وہ بڑے بڑے عہدوں پر متمکن ہیں اور ہر قسم کے اعزاز و انعام سے نوازے جا رہے ہیں۔ کیا وہ اپنی تن آسانی اور راحت طلبی کو ترک کرنا اور اپنی روش پر نظر ثانی کرنا پسند کریں گے؟ کیا وہ اپنا ہی بھلا کرتے رہیں گے یا اردو کا بھی کچھ بھلا کریں گے۔ کیا وہ اردو کا استحصال ہی کرتے رہیں گے یا اس کے فروغ و ترقی کا بھی کچھ سامان کریں گے؟ کیا وہ اپنے اعزاز و انعام ہی سے سروکار رکھیں گے یا اردو کے لئے کوئی ایثار و قربانی بھی کریں گے۔ کیا وہ اردو کے نام پر ملنے والے فتوحات و غنائم سے متمتع ہونے اور اکیڈمیوں کے ذریعہ بندر بانٹ کرنے ہی میں لگے رہیں گے یا اردو کے بنیادی اور اصلی مسائل پر بھی توجہ دیں گے۔ وقت آ گیا ہے کہ وہ اس کی منظم تحریک چلائیں کہ لوگ اپنے بچوں کو اردو پڑھائیں لکھائیں اور ان سے پہلے وہ خود اپنے گھروں میں اردو کو رواج دیں۔ اپنے بچوں کو انگلش میڈیم میں بھیجنے کے بجائے ان اسکولوں میں بھیجیں جہاں اردو کی تعلیم ہو رہی ہو۔ دفتروں میں خود بھی اردو میں درخواستیں دیں اور دوسروں سے بھی دلائیں۔ اردو میں خطوط اور پتے لکھنے کی خود عادت ڈالیں اور دوسروں کو بھی اس کا عادی بنائیں۔ اس میں جو لوگ مزاحم ہوں ان سے آئینی طور پر برسرِ پیکار ہو جائیں اور یہ یاد رکھیں کہ

اگر اردو نہ ہوگی تو ان کی بھی پرسش اور پذیرائی نہ ہوگی۔

ابھی یہ سطریں زیر تحریر ہی تھیں کہ اردو کے ایک کرم فرما کا جو خیر سے ترقی اردو بیورو کے نائب چیرمین بھی ہیں ایک انٹرویو اخباروں میں نظر سے گذرا کہ ہندوستان میں اردو زوال پذیر نہیں ہوئی ہے، اگر زوال آیا ہے تو خواص کی زبان میں، اگر اردو کو آسان کر دیا جائے تو تیزی سے اس کی ترقی ہوگی اس کا نسخہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے رسم الخط کو آسان بنایا جائے، خیریت یہ ہوئی کہ رسم الخط تبدیل کرنے پر زور نہیں دیا گیا اسی سلسلے میں اردو کے ہم صوتی حروف حذف کر دینے کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے، کاش اردو کے ٹھیکیدار اور ذمہ دار ایسے گمراہ کن بیانات دے کر اردو کی شناخت اس کے تشخص اور اس کی خصوصیات و امتیازات کو ختم کرنے سے باز رہتے۔

دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ کی قرارداد کے مطابق دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اسکالر اور طلبہ کو سال دو سال دار المصنفین میں قیام کر کے اس کے دئے ہوئے موضوع پر علمی و تحقیقی کام کرنے کی دعوت دی گئی تھی اس کے جواب میں بعض یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالروں کے خطوط موصول ہوئے ہیں جن پر جلد ہی کارروائی عمل میں آئے گی، لیکن عربی مدارس کے طلبہ خاموش ہیں اور وہ اساتذہ اور محققین بھی چپ سادھے ہوئے ہیں جنھیں وزیٹنگ اسکالر کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی　　اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

اسی اثنا میں پٹنہ سے ہمارے فاضل دوست اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا گرامی نامہ موصول ہوا ہے کہ "ہندوستان کی قومی تحریک میں مسلمانوں کا حصہ" کے عنوان سے خدا بخش لائبریری کے زیر اہتمام صوبہ وار تاریخ لکھے جانے کا پروگرام بنایا گیا ہے اور بہار کے "مسلمانوں کا تحریک آزادی میں حصہ" پر تقریباً ایک ہزار صفحے کی تاریخ تیار ہو چکی ہے لیکن دوسری ریاستوں کا کام ہونا باقی ہے، جو لوگ اس اہم اور قومی تاریخ کی تکمیل میں حصہ لینا چاہتے ہوں ان کو معقول حق المحنت کے علاوہ دوسری ضروری سہولتیں بھی بہم پہنچائی جائیں گی، مزید معلومات کے لئے براہ راست لائبریری سے رابطہ قائم کیا جائے۔ یہ مفید اور ضروری منصوبہ اگر پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو اس سے پوری طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ ملک کی تعمیر و ترقی اور اسے بنانے اور سنوارنے نیز آزادی کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ دوسروں سے کم نہیں ہے، اس سے ان فرقہ پرست عناصر کے زہر کا تریاق بھی مہیا ہوگا، جو مسلمانوں کے کارناموں اور حب الوطنی کے واقعات پر خط تنسیخ پھیر کر انھیں ملک کا غدار ثابت کر رہے ہیں، ہم کو بجا توقع ہے کہ بیدار صاحب جیسے فعال اور عملی شخص کی سرکردگی میں یہ عظیم الشان کام انشاء اللہ ضرور مکمل ہوگا۔

مقالات

زکوٰۃ کا انفرادی و اجتماعی نظام

از مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری، بھوپال

اسلام کے معنی

اسلام کے معنی اطاعت اور حکم برداری کے ہیں، لیکن شیطان، شہوت، مادہ اور غیر اللہ کی اطاعت نہیں بلکہ خدائے رحمان و رحیم مالک یوم الدین کی اطاعت، اسلام الوجہ والقلب والجوارح کا نام اسلام ہے، یعنی دل کی گہرائیوں سے اپنے دل، اپنے چہرہ یعنی زندگی کے رُخ کو اور اعضاء و جوارح کے اعمال و افعال کو خدا کی اطاعت و حکم برداری کا خوگر بنا لینا۔

اسی طرح **اسلام** کے معنی سلام یعنی امن و امان اور سلامتی کے بھی ہیں، اسلام کے عقائد و عبادات و جملہ احکام خدا کی اطاعت و بندگی پر ابھارتے ہیں، جس کے نتیجہ میں جحیم شر کے جھونکوں سے جھلستی ہوئی دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

اسلامی عقائد

اسلامی عقائد بندگی و اطاعت و سلامتی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، خدا کی ذات و صفات کا تصور جتنا گہرا ہوگا، اس کی الوہیت، ربوبیت، حاکمیت، رزاقیت، قدرت و اقتدار پر جتنا یقین ہوگا، روز جزا نگاہوں کے سامنے ہوگا، ثواب و عقاب کا نظریہ نظر کے سامنے رہے گا اسی قدر جذبۂ تشکر و حمد پیدا ہوگا، اور دل کی گہرائیوں اور اعضاء و جوارح کی فرمانبرداری کے ساتھ اطاعت ہوگی اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت و اتباع سے عالم انسانیت، امن و سلامتی، رعنائی و بہار

اور تمدن و ترقی کی شاہراہ منتظم پر گامزن ہوگی، رسولوں، فرشتوں، آسمانی کتابوں وغیرہ پر ایمان من جملہ ایمان باللہ والیوم الآخر کو مضبوط و پائیدار بناتا ہے۔

اسلامی عبادات

اسلام کا نظام عبادت بھی اسلام کے دونوں معانی کا آئینہ دار ہے اور اطاعت و امن کی آبیاری میں معین و مددگار ہے، نماز آقا و بندے کا رشتہ استوار کرتی ہے اور انسانیت کو امن و سلامتی سے ہمکنار کرتی ہے، امراض قلوب سے نجات دلاتی ہے، فحشاء و منکر سے باز رکھتی ہے، حقد و حسد، نفرت و تعصب کی ہولناک وباؤں سے محفوظ رکھتی ہے اور حسن تعلقات پر ابھارتی ہے، جذبۂ ہمدردی پیدا کرتی ہے، ایک نمازی دوسرے نمازی کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اور سلام و کلام و طعام کا رشتہ قائم ہوتا ہے، ایک خدا کے روبرو سجدہ ریز ہونا اور ایک قبلہ کی طرف رخ کرنا اور ایک سیدھی صف میں کھڑے ہونے سے دلوں کے اختلاف دور ہوتے ہیں، وحدت و اتحاد کی بنیاد پڑتی ہے اور امن و سلامتی کی راہ کا یہ سنگ میل ثابت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ نماز حقیقی روح کی آئینہ دار ہو۔

روزہ خدا کی اطاعت کا بڑا مظہر ہے، اس کے حکم سے جائز خواہشات سے ایک ماہ تک رکے رہنا، صفت صمدیت سے متصف ہونا، نفس کی شہوت اور شیطانی جذبات کو قابو میں کرنے کی مشق ہے، تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، حقد و حسد، غیبت و غصہ کے تمام سفلی جذبات سے بلند ہو کر بلند اخلاقی کردار کے مظاہرہ کا سب سے بلند طریقہ ہے اور سوسائٹی کو اتحاد و سکون و سلامتی کے ساحل تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، بشرطیکہ روزہ صرف بھوک و پیاس تک محدود نہ ہو بلکہ قلب و نظر اور جسم و روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

حج اطاعت خداوندی کا سب سے بڑا عالمی مظاہرہ ہے۔ مالی و جانی عبادت ہے، زمین کے کونے کونے سے اہل توحید کے قافلے خدا کے حکم کی تعمیل میں آتے ہیں، رفث اور فسوق و جدال سے مجتنب رہتے ہیں، حفظ و امان کے مہینوں میں حفظ و امان و سلامتی کے شہر بلد حرام اور مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں، تمام حرام خواہشات کے ختم ہو جانے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اسی طرح مساوات، آپس میں نصرت، ہمدردی اور پوری امت اسلامیہ کی شادمانی کے پلان بنائے جاتے ہیں، الفت و محبت پیدا ہوتی ہے اور عالمی سلامتی اور امن و امان کے قیام و استحکام میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے، بشرطیکہ حج اپنے روحانی انداز پر ہو اور لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ کی تفسیر ہو، روحانی، مادی، معاشی، سماجی تمام منافع سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا ہو اور امت اسلامیہ کے تابناک مستقبل کے ولولہ و حوصلہ سے خالی نہ ہو۔

اسلامی شریعت، عقل، نسب، مال و جان اور آبرو کی محافظ

اسلام کے تمام دوسرے احکام بھی اطاعت الٰہی اور امن و سلامتی کے داعی ہیں، اسلام کے تمام محرمات و منہیات سے بچنا اطاعت الٰہی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اس طرح سفلی جذبات سے قلب و ضمیر اور اعضاء و جوارح کی پاکی ہوتی ہے، دل خشوع سے لبریز ہوتے ہیں اور اعضاء خضوع کے عادی بنتے ہیں اور سوسائٹی امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

شراب کی ممانعت سے عقل انسانی کی حفاظت ہوتی ہے، ام الخبائث کا خبث اور نشہ تمام بڑے گناہوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اس سے باز رہ کر سوسائٹی بدکاری، فساد، غارتگری، موٹروں کے ایکسیڈنٹ اور ہر وبا سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

زنا کاری کی ممانعت انساب و احساب کی حفاظت اور آبرو، شرافت، خودداری و عصمت کی حفاظت ہے، سوسائٹی میں بدچلنی کا رواج امن و امان کے لیے غارتگر ہے، اس لیے زنا ہی نہیں بلکہ فحشا کے قریب بھی نہ جلنے کے لیے اور بے راہ روی کے جملہ طریقوں پر پابندی عائد کی گئی ہے تاکہ ہونہار اور سادہ لوح آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں لباس، زینت کے طریقوں، آزادانہ اختلاط، مخلوط کلبوں سے محفوظ رہکر جلد از جلد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوسکیں اور فطری جنسی خواہشات کو حلال طریقے اور نفسیاتی سکون کے ماحول میں پورا کرسکیں۔

چوری ایک خسیس عادت ہے جو کمینگی کا مظہر ہے۔ ڈاکہ اس سے زیادہ جان و مال کی حفاظت کا دشمن ہے، اس لیے مال کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا اور سخت سزا رکھی گئی تاکہ سوسائٹی میں سکون رہے اور لوگ امن و سلامتی کے ماحول میں زندگی گزار سکیں۔

بدکاری کا الزام (قذف) آبروریزی کے مرادف ہے۔ آبرو اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے اس سے منع کیا گیا ہے، تاکہ سوسائٹی کا حفظ و امان برقرار رہے۔

قتل نفس فساد و غارتگری کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اس لیے شرک کے بعد یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اس کی ممانعت اور سزا قصاص سے جانوں کی حفاظت ہوتی ہے اور سوسائٹی کی حیات جاوداں کی ضمانت حاصل ہوتی ہے اور امن و امان کے قیام کا اسلامی منشا پورا ہوتا ہے۔

الغرض جملہ اسلامی احکام حفاظت عقل و نسل و مال و جان کے ضامن ہیں اور

اس طرح سوسائٹی کو خدا کی اطاعت کا سبق پڑھاتے ہیں اور امن و سلامتی کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل لائحہ عمل اور پائیدار نظام زندگی و بندگی ہے اور انسانیت کے لیے آخری دین اور ہدایت نامہ ہے جو خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ مبعوث کیا گیا ہے اور جب اسلام کے معنی خدا کی اطاعت و بندگی اور امن و سلامتی کے ہیں تو پھر یہ ضروری ہے کہ اسلام قیامت تک انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایسی تعلیمات پیش کرے جس پر چل کر انسانیت خالق کائنات کی حکم برداری کرسکے اور خالق کے بندوں میں امن و سلامتی کا پرچار کرسکے۔

مادی ضروریات فطری ہیں

تمام روحانی و اخلاقی و عقلی و اجتماعی ضرورتوں کی طرح انسان کی فطری و جبلی ناگزیر ضرورت اس کی مالی و اقتصادی ضرورت بھی ہے اور اس دنیا میں جینے اور خوش حال و مطمئن زندگی گزارنے اور بدامنی کو روکنے کی ضرورت سب سے اہم ضرورت ہے۔

فاقہ کش، بدحال اور ننگی بھوکی قوم امن و امان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں کرسکتی، حقد و حسد، نفرت اور محرومی کے جذبات سے پاک تعلیم یافتہ سوسائٹی اسلام کا مقصد ہے، انسان عقل و دماغ اور دل کے ساتھ ساتھ جسم معدہ اور پیٹ کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ اکل و شرب و لباس و مسکن و ازدواجی زندگی گزارنا انسان کی اساسی اور بنیادی ضروریات ہیں جو دین ان بنیادی ضروریات کے حل کرنے کا سامان اپنی تعلیمات میں نہ رکھتا ہو وہ دینی انصاف، عدل و عدالت اور خدائی اقتدار کا حامل نہیں ہوسکتا اور نہ سوسائٹی میں زیادہ دن اپنا رول انجام دے سکتا ہے۔

اقتصادی تعلیمات اس لیے اسلام نے مکمل اقتصادی نظام پیش کیا ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو اور متوازن و معتدل اور وسط ہو اور اس میں جملہ اسلامی احکام کی طرح ضروریات فرد و سوسائٹی کا امتزاج ہو، عزیمت و رخصت کے احکام موجود ہوں:

۱۔ اسلام نے انسانوں کو کسب پر ابھارا ہے۔ کمانے والے بھائی کو حضور رسالتمآبؐ نے مسجد نبوی میں بیٹھنے اور رشد و ہدایت کی تعلیمات سننے والے بھائی کے مقابلہ میں افضل بتایا ہے، قرآنی تعلیمات نے کسب کی فضیلت بتائی ہے ۲۔ محنت سے کمایا ہوا پیسہ سب سے حلال پیسہ ہے ۳۔ قرآن و سنت میں زراعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ترقی و تمدن کا سرسبز و شاداب باغ جو شہروں میں پھیلتا ہے، اسکی جڑیں کھیتیوں میں گڑی ہوتی ہیں ۴۔ قرآن و سنت میں تجارت کے فضائل و فوائد وارد ہوئے ہیں، جملہ اقتصادی ترقی تجارت کی رہین منت ہے اور یہ حلال روزی کمانے کا بہترین و کامیاب وسیلہ ہے ۵۔ اس حد تک فقیری و محتاجی کہ انسان دوسروں کا دست نگر ہو جائے اور سلیم الاعضاء ہونے کے باوجود بھیک اور خیرات پر جینے لگے اس جذبہ کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کا کام اسلامی تعلیمات نے کیا ۶۔ ضرورتمندوں، محتاجوں اور اپاہجوں کی مالی سرپرستی کے متعدد طریقے پیش کیے، سب سے پہلے ایک عظیم انقلاب یہ پیدا کیا کہ زمین و زر اور کائنات کے ہر ذرہ کا مالک خدا کو بتایا، حالانکہ اس سے قبل زمین، مال، اور انسانی جان انسان یا حکومت کا حق سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے کہا کائنات اللہ کی ہے، زمین اللہ کی ہے، جان اللہ کی ہے، مال اللہ کا ہے اور انسان اس دنیا میں اس کا خلیفہ اور نائب ہے، اس کی مرضی اور خوشنودی سے وہ اللہ کی ملکیت میں سے اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے کا امین ہے، مالک نہیں ہے، اس لیے اسے امانت دار

و وفادار ہونا چاہیے اور اس کی مرضی کے مطابق مال کی تقسیم کرنی چاہیے ۷۔ قرآن نے یہ جذبہ صادق پیدا کیا کہ اعمال خیر میں سے سب سے بہتر کام یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود اسے رشتہ داروں، ضرورتمندوں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کیا جائے "وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ الخ" اور مال خرچ کرنے کی تلقین اس دلنشین انداز میں کی کہ وہ خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور پاک ہوتا ہے، اس سے دنیا میں برکت اور آخرت میں سعادت حاصل ہوتی ہے، خرچ کیا ہوا پیسہ ہزاروں گنا بڑھتا ہے اور اس طرح مالداروں کے ثواب کمانے کا بہت بڑا ذریعہ انفاق مال کو بتایا ہے، اس کی وجہ سے لوگ اپنی فاضل آمدنیوں میں سے خدا کی راہ میں اور اللہ کی مخلوق پر خرچ کے عادی بن جاتے ہیں لیکن یہ تمام تعلیمات، اخلاقی بنیادوں پر مبنی ہیں، ایسا بھی وقت آسکتا ہے کہ روحانی و اخلاقی زوال کی وجہ سے لوگ ان تعلیمات سے روگردانی کرنے لگیں یا انہیں سخت سمجھ کر اکثریت ان پر عمل پیرا ہونے سے جی چرائے۔

اس لیے کسی حکیم شریعت اور تاقیامت چلنے والے قانون کے لیے، انسانیت کے تاقیامت موجود رہنے والے اقتصادی مسئلہ کو صرف جذبات و عواطفِ انسانی اور زندہ ضمیر پر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ اس کے لیے قانون سازی کی ضرورت تھی، اس سلسلہ میں اسلام نے یہ پیش رفت کی۔

۱۔ **اقارب کے نفقہ کا قانون**:۔ بیوی بچوں اور ماں باپ کا نفقہ واجب ہے، فقہ شافعی اور دوسرے فقہاء کے نزدیک دوسرے عزیزوں کو بھی بوقت ضرورت، مالدار اعزہ سے حسب حیثیت نفقہ دلایا جائے گا، مصری قوانین میں یہ موجود ہے۔ اس کے اجراء سے بڑے فوائد متوقع و محقق ہیں۔

۲۔ **موسمی صدقات کا اثر**:۔ مثال کے طور پہ صدقۃ الفطر جس کی رو سے سوسائٹی کا کوئی مسلمان خوشی اور عید کے دن بھوکا نہ رہے، عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی اور گوشت کی عام تقسیم۔

۳۔ **گناہوں کے کفارہ میں اطعام**:۔ یعنی مالی کفارہ رکھا گیا تاکہ سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگ اس طرح مالی پریشانیوں سے آزاد ہوں۔

۴۔ عام پریشان حالی، قحط اور دوسری مشکلات کے وقت عام طور سے مالداروں سے چندہ کی اپیل وغیرہ۔

۵۔ قحط کے دوران حضرت عمر فاروقؓ نے مالداروں پر غریب اشخاص پر کھانا کھلانے کی وقتی ذمہ داری سونپی تھی۔ وغیرہ۔

۶۔ زکوٰۃ کے علاوہ گورنمنٹ کے جو مالی موارد اور آمدنیاں ہیں ان میں سے بھی غریبوں کے عام حقوق کی نگہبانی۔

۷۔ ناگہانی حالات اور فقر و فاقہ کے سدباب کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے عطایا اور چندہ کا اہتمام جو خود حضور رسالتمآبؐ کی طرف سے متعدد بار کیا گیا۔

مکمل مالی نظام کی ضرورت لیکن ان سب تدبیروں کے بعد بھی ایک ایسے مکمل و منظم و مرتب مالی نظام کی ضرورت تھی جو دائمی طور پہ انسداد غریبی میں معین و مددگار ہو اور ہر زمانہ میں اس کا رواج ہو اور امیروں کے مال میں سے ایک مقرر کردہ حق جو ہر شخص کی طرف سے ادا ہو وہ نظام کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہ ہو، نہ کسی پارلیمنٹ یا اسمبلی یا قانونی گروہ کا بنایا ہوا ہو کیونکہ انسان کا بنایا ہوا قانون، ہر زمانہ کی ضرورتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا، اور انسان، انسان کے بنائے ہوئے قانون کو نہ مقدس سمجھتا

اور نہ عقل و دل کی گہرائی سے اس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے بلکہ اس کے نقص و نقصان کی وجہ سے اس میں تبدیلی اور ترمیم کے لیے کوشاں رہتا ہے اور ہر نئی حکومت اسے بدلتی رہتی ہے اور زمین، دریا، پہاڑ اور سرحدی حدود کے بدلنے سے اس کی قدریں بدلتی رہتی ہیں جو کسی دائمی اور عالمی قانون کے لیے موزوں نہیں۔

فریضہ زکوٰۃ اور غریبوں کے حقوق اس لیے خداوند قدوس نے جو خالق کائنات ہے، انسان کا خالق ہے، ہر چیز کا مالک اور رب ہے، خبیر و علیم و بصیر و حکیم ہے۔ وہ ہر زمانہ کی ضرورتوں کو جاننے والا ہے، اس نے غریبوں کے حقوق کی نگہبانی کے لیے اور ان کے دائمی استحصال کو روکنے کے لیے اور ان کی تا قیامت مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نظام زکوٰۃ مقرر کیا ہے، اس کی مقدار اور اس کے مصارف اور قواعد بھی اس نے مقرر کیے ہیں جو قرآن کے شارح اور مبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مکمل طور پہ بیان بھی کیے گئے اور عملی طور پہ نافذ بھی کیے گئے۔

ڈھائی فیصد زکوٰۃ مال و زر کی ہر صورت پہ ½ ۲ فیصد کی معمولی رقم مقرر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام زکوٰۃ کی خصوصیت و انفرادیت یہ ہے کہ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں، ورنہ انسانی فطرت آمدنی کو چھپانے اور کم بتانے پر اکساتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک مالدار شخص اپنے سرمایہ کو تجارت یا نفع میں لگانے سے باز رہے اور کم از کم آمدنی پر قناعت کرے، لیکن اس سے اسلام کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ سرمایہ کو زمین میں گاڑ کر رکھنا یا نمو پذیر چیزوں میں نہ لگانے سے پوری سوسائٹی کا اقتصادی نقصان ہے، اس لیے حلال طریقوں سے زیادہ سے زیادہ آمدنی کی افادیت ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے بلکہ زکوٰۃ اس جمع شدہ پونجی پہ ہے جو تمام جائز اور ضروری خرچوں کے بعد بچ جائے

نصاب کے برابر ہو اور اس پر پورا سال گزر گیا ہو اور اس میں سے صرف ½ ۲ فیصد
فرد و سوسائٹی کے منافع پر خاص کیا جائے اور ½ ۹۷ فیصد محنت کرنے والے کے
پاس رہے اور اسکو حلال طریقوں سے مزید بڑھایا جائے۔

بہ ظاہر یہ مقدار بہت کم نظر آتی ہے، لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ فطرت
انسانی اسے آسانی سے قبول کر لیتی ہے اور باقی ماندہ رقم اگر جمع رہی تو چالیس۴۰ پچاس۵۰
سال میں پوری زکوٰۃ میں نکل جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ ہر سال فرض ہے، اس کا لازمی
نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ کو نمو و ترقی کے طریقوں اور وسیلوں میں لگایا جائے اور اگلے
سال پھر اصل اور اضافہ شدہ رقم کی زکوٰۃ نکالی جائے، اس طرح سرمایہ دار کے
مال میں سے مستقل اور منظم طریقے سے مستحقین کے حقوق کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ عقلی تشفی اور قلبی اذعان کے ساتھ ادا کی جائے

چونکہ زکوٰۃ خدا کا حکم سمجھ کر عقلی تشفی و تسلی اور قلبی اذعان و یقین کے ساتھ رضائے الٰہی اور بندگی کے جذبہ کے ساتھ
ادا کی جاتی ہے، اس لیے چوری اور جھوٹ کے وہ تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں جو
حکومتوں کے ٹیکس ادا کرنے کے سلسلہ میں پیش آتے ہیں اور بندہ مسلم یہ سمجھتا ہے کہ
زکوٰۃ مال کی پاکی اور زیادتی کا باعث ہے جو زکوٰۃ کے لغوی معنی بھی ہیں، اس کے ذریعہ
تمام اوصاف قبیحہ اور دل کے امراض حقد و حسد بخل و خود غرضی، حرام خوری اور مال
کی حد درجہ محبت سے صفائی حاصل ہوتی ہے اور خدا کے دربار میں قبولیت حاصل
ہونے کے بعد آخرت کے بینک میں یہ مال بڑھتا رہتا ہے اور ثواب جاریہ کا باعث
ہوتا ہے۔

احسان نہیں عبادت کے جذبہ سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے

زکوٰۃ دینے والے کو حقیر سمجھنا، اسکو

تکلیف پہنچانا اور اس پر احسان جتانا جیسی بری عادتوں سے پرہیز زکوٰۃ کے لغوی
معنی میں پایا جاتا ہے کیونکہ جب یہ ایک عبادت اور فریضہ اور غریب کا مقرر کردہ
حق ہے تو اس کی وجہ سے مالدار کے دل میں جذبۂ محبت و خیر خواہی ابھرتا ہے اسلیے
اسے زکوٰۃ لینے والے کا شکریہ و احسان ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ایک عبادت اور
فریضہ ادا کرنے میں معاونت کی اور اس کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے تطہیر
کا سامان فراہم کیا اور پوری سوسائٹی کو پاک اور بلند کرنے میں مدد کی۔

دفینے اور پیداوار کا نصاب

دفینے اور خزانے بہت آسانی سے مل جاتے ہیں ان میں خمس
۲۰٪ فیصد زکوٰۃ ہے، زراعت کے فوائد عام انسانوں اور جانوروں کے لیے بہت ہیں
اور براہ راست ان کی غذا اس سے حاصل ہوتی ہے، اس لیے بارش سے پیدا ہونے
والی پیداوار پر عشر ۱۰٪ اور سینچائی سے پیدا ہونے والی کاشت پر نصف العشر
۵٪ فیصد مقرر کی گئی اور اس میں سال گذرنے کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ جب کٹائی
ہوگی اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور جو زمین سال میں دو۲ بار یا تین۳ بار فصل اگاتی ہے
اس پر ہر فصل کے کٹنے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اس طرح غریبوں کے غذائی حقوق کی
بڑی حد تک نگہبانی ہوگی، اسی طرح مویشیوں کی زکوٰۃ کا ایک مفصل و مرتب نقشہ ہے۔

زکوٰۃ سے فرد اور سوسائٹی کی اصلاح

اسلامی عبادت اور حکم میں فرد کی اصلاح کی رعایت
رکھی گئی ہے، اس لیے غریبوں، عزیزوں، دوستوں، محلے والوں اور جن کے حالات سے
انسان واقف ہے ان کو براہ راست بھی رقم ادا کی جانی چاہیے تاکہ ان کے حقوق ضائع
نہ ہوں۔ اسی طرح ہر اسلامی عبادت اور حکم میں اجتماعی فوائد کی رعایت کی گئی ہے۔
نماز با جماعت افضل ہے۔ روزہ ہر کوئی کسی ایک ماہ میں نہیں رکھ سکتا، بلکہ پوری امت

رمضان المبارک میں رکھتی ہے تاکہ اجتماعی روحانی فوائد حاصل ہوں، حج اجتماعیت کا سب سے بڑا مظہر ہے، اس لیے زکوٰۃ بھی منظم طریقے اور اجتماعی انداز سے امیر وقت کو حاصل کرنے کا حق ہے۔

بعض علمار نے تحقیق و تلاش کے بعد چند حدیثوں اور چند واقعات اور بعض قرآنی آیات کے پیش نظر یہ ثابت کیا ہے کہ حضور پاکؐ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں تمام اموال کی زکوٰۃ کے لیے باقاعدہ عامل مقرر تھے اور ہر قسم کی زکوٰۃ حضور پاکؐ وصول کرتے تھے اور امیر وقت ہی کو زکوٰۃ دی جاتی تھی۔

لیکن دوسرے علمار کا کہنا ہے کہ اموال ظاہرہ یعنی مویشیوں، کھیتی وغیرہ کی زکوٰۃ تو امیر وقت کے عمال وصول کرتے تھے اور اموال باطنہ نقد اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کا یہ طریقہ تھا کہ لوگ خود بھی ادا کرتے تھے اور اگر کوئی اپنی مرضی سے حضور پاکؐ کے پاس لاکر دیتا تھا تو آپ بھی لے لیتے تھے اور مصارف میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

یہ موضوع تفصیل طلب ہے۔ طرفین نے اس کے لیے دلائل مہیا کیے ہیں، کسی نے خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ (توبہ: ۱۰۳) کے لفظ خُذْ یعنی حضور پاکؐ سے یہ خطاب کہ ان کے اموال میں سے صدقہ لو یعنی وصول کر دے یہ ثابت کیا ہے کہ امیر وقت کا وصول کرنا ضروری ہے۔ اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ صدقات مویشی وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اس سے زیادہ صاف اور واضح جواب یہ ہے کہ قرآن میں لفظ "خُذْ" ہی استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ایتار کا لفظ بھی بارہا ادا ہوا۔ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ (بقرہ: ۴۳)۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ (بقرہ: ۸۳-۱۱۰) وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَآتَی الزَّکٰوۃَ (بقرہ: ۱۷۷) وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ

الزَّکٰوۃَ (نساء: ۱۶۲) لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَآتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ (مائدہ: ۱۲) اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَآتَی الزَّکٰوۃَ (توبہ: ۱۸) وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوۃِ (انبیاء: ۷۳) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ (المومنون: ۴) وَمَا آتَیْتُمْ مِنْ زَکٰوۃٍ (روم ۳۹) وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَآتِیْنَ الزَّکٰوۃَ (احزاب: ۳۳) وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ (البینۃ: ۵) یہ آیتیں صرف نمونے کے طور پر درج کی گئی ہیں، ان کی روشنی میں علمار نے ایتار کے لغوی معنی اور تفصیلات کے بعد ثابت کیا ہے کہ زکوٰۃ تعبدی فعل ہے اس میں دینے والے کی نیت شرط ہے اور اسے خود ادا کرنی چاہیے۔

راقم کا خیال ہے کہ صرف ان الفاظ سے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ امیر وقت کا حق وصولی ختم ہو جائے اور اس بات کا انکار بھی تاریخی و عملی طور پر نہیں کیا جاسکتا کہ بعض حالات میں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے کچھ افراد مقرر بھی کیے گئے ہوں اور اس بات کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ آپکو بھی زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے (یہ موضوع تفصیل طلب ہے)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کے اجماع سکوتی کو کسی ایسے منصوص و مفروض امر کے بدلنے کا حق نہیں ہے جو فرض و واجب ہو اور جسے حضور پاکؐ نے اللہ کے حکم سے مقرر کیا ہو۔ اس اصولی بات ہی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی دونوں صورتیں عملاً موجود تھیں اور دونوں جائز تھیں، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر المومنین نے لوگوں کو امیر وقت کے پاس مال لانے کی پریشانی سے آزاد کر دیا اور اپنی اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ہی ادا کرکے دینے کا حکم دیا، یہ کہنا یا سمجھنا کہ اس زمانہ میں

چونکہ مالی فراوانی اور زیادتی ہوگئی تھی صرف اس لیے حضرت عثمان نے ایسا کیا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی شرعی علت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نظام زکوٰۃ کے منصوص عمل کو بدلا جاسکے، اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ خود ادا کرنا اور حاکم وقت کے ہاتھ میں دینا کہ وہ مصارف میں خرچ کردے دونوں شرعی طریقے ہیں، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں امت کے حالات اور مصالح کے پیش نظر اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود صاحب نصاب ادا کرتا تھا اور اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ہمیشہ عمال کے ذریعہ وصول ہوتی تھی۔

حضرت عثمانؓ کا یہ عمل شرعی اعتبار سے درست تھا اور صحابۂ کرام کی تائید اسے حاصل تھی۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض و واجب نہیں بلکہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر جو نظام زیادہ مفید ہو اسے اس وقت اپنایا جاسکتا ہے، حضور پاکؐ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا عمل حضرت عثمانؓ کے عمل کو غلط ثابت کرنے کے لیے پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ حضرت عثمانؓ کے عمل سے دوسرے طریقے پر عمل کرنے کے لیے عدم جواز کا فتویٰ حاصل کیا جاسکتا ہے، بلکہ امت کے مصالح، غریبوں کے مصالح اور حالات و ظروف کے پیش نظر جو طریقہ مناسب ہوگا اس پر عمل کیا جاسکتا ہے یا کچھ مال کی زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جاسکتی ہے اور کچھ مال کی اجتماعی طریقے سے، زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور ادائیگی کا طریقہ کیا ہو یہ ارباب حل وعقد اور امیر کی صوابدید پر منحصر ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں لیت ولعل ہے اور لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو امیر وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان سے بجبر وصول کرے۔ الغرض زکوٰۃ امت مسلمہ کی اقتصادی ضروریات کی ضامن ہے اور اس سے دینی ملی اور دفاعی وہجوی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں۔

اسلام میں فریضۂ زکوٰۃ کی اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک میں متعدد بار اسے نماز کے ساتھ بیان کیا گیا، اسے ارکان میں شمار کیا گیا، رسول پاکؐ کو حکم دیا گیا کہ: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (التوبہ: ۱۰۳) حکم اسلامی کے قیام کے بعد اور تمکین فی الارض یعنی زمین میں خود مختار اسلامی ریاست قائم کرنے والوں کا کردار اس طرح واضح کیا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ (حج: ۴۱)

وہ کہ جن کو ہم زمین میں تمکین و حکومت عطا کرتے ہیں تو وہ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور ادائے زکوٰۃ کرتے ہیں۔

قرآن وسنت میں زکوٰۃ کی اہمیت پر بے شمار آیتیں اور حدیثیں ہیں اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو دردناک عذاب اور وعیدوں کی دھمکی دی گئی ہے۔

ان کے پیش نظر زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والا نصوص کتاب وسنت سے انحراف کرنے والا ہے اور پوری امت کے نزدیک کافر و مرتد ہے اور اس کو ادا کرنے سے انکار کرنے والا اگر کوئی فرد یا چھوٹا سا گروہ ہے تو اس سے بجبر وصول کی جائیگی اور اگر کوئی منظم گروہ ہے تو اس سے قتال اور جنگ کی جائے گی اور زکوٰۃ وصول کیجائیگی۔

دو گروہوں سے حضرت صدیقؓ کا جہاد ایک گروہ سے جنگ

حضور پاکؐ کے وصال کے بعد مرتدین کا گروہ پیدا ہوا، ایک وہ تھا جس نے شریعت کی تمام پابندیوں کا انکار کر دیا، نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ اجماع امت سے کافر و مرتد قرار پایا مسیلمہ کذاب نے حضور پاکؐ کے زمانہ ہی میں زکوٰۃ کو ایک مالی ٹیکس سمجھ کر اس کا ایک حصہ خود وصول کر رکھنے کا منصوبہ پیش کیا اور لکھا کر قریش عدل و انصاف سے کام نہیں

کرتے اور پورا مال وصول کر لیتے ہیں، دوسرا گروہ وہ تھا جو شریعت کے تمام احکام کو مانتا تھا لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر رہا تھا، اس کا کہنا تھا کہ یہ حضور پاکؐ کو ادا کرنے کا حکم تھا کسی دوسرے کو ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپؐ کی دعا سے اس میں برکت اور تطہیر ہوتی تھی اب کوئی اس مقام کا حامل نہیں ہے۔ تیسرا گروہ کہتا تھا کہ زکوٰۃ فرض ہے ہم خود اس فرض کو ادا کریں گے اور حضرت ابو بکرؓ کو نہیں دیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے آخر کار سب سے جنگ کی، فقہا میں اس جنگ کے بارے میں چند اختلافات ہیں لیکن صحیح ترین بات یہی ہے کہ آپ نے اول الذکر دو گروہوں کے ساتھ کفر و ارتداد کے الزام میں جہاد کیا اور آخر الذکر گروہ کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی میں حق امیر کی بحالی اور صحیح صورتحال کی طرف واپسی کے لیے جنگ کی اور اس طرح زکوٰۃ کی اہمیت و فرضیت کا اعلان بھی کیا اور امارت کی طرف سے حق وصولی کو بھی ثابت کیا اور یہ ایک واضح بات ہے کہ زکوٰۃ ہر بستی اور شہر کے مالداروں سے وصول کی جاتی تھی اور انہیں کے غریبوں پر تقسیم کر دی جاتی تھی اور اگر مستحقین سے کچھ بچ جاتی تو مرکز خلافت مدینہ طیبہ ارسال کر دی جاتی تاکہ ایسی جگہوں پر تقسیم کی جائے جہاں غربت کی وجہ سے زکوٰۃ سے غریبوں کے حقوق پورے نہ ہو پاتے ہوں۔

اسلامی ممالک میں عمل عصر حاضر کی ضروریات کے پیش نظر اسلامی ممالک میں زکوٰۃ کی پوری ادائیگی کے لیے انفرادی و اجتماعی کیا طریقے عمل میں لائے جائیں، اس کی شکلیں موجود بھی ہیں اور ایک نظام حکومت کی وجہ سے آسان بھی ہیں اور ان میں مزید اجتماعی طریقوں پر عمل ممکن بھی ہے۔

غیر اسلامی ملکوں میں لیکن یہ کام ان ممالک میں کیسے ہو جہاں اسلامی نظام حکومت نہیں ہے،

مسلمان اقلیت میں ہیں یا جہاں کا ڈھانچہ جمہوری اور سیکولر ہے؟ اور جہاں مسلمانوں کے آپس میں عقائدی اختلاف، فقہی مسالک میں تعصب کی حد تک اختلاف موجود ہیں بلکہ فقہی مسلک میں بھی دلائل کی روشنی میں طرح طرح کے نظریات ہیں اور اس نظام کی تفصیلات، مصارف کی مدوں، فی سبیل اللہ کے مفہوم، ملکیت کے حدود وغیرہ کے بارے میں جو فقہی اختلافات ہیں ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

ہندوستان کی حد تک یہاں سنی، شیعہ، سنت پر چلنے کے دعویدار متعدد گروپ، شافعی، اہل حدیث، مقلد، سخت مقلد، ضرورت کے تحت تلفیق کے قائل، بلاضرورت تلفیق کے قائل، انتہائی آزاد خیال، مجتہد، جو اجتہاد کی بنیادی اور ابتدائی شروط سے بھی عاری ہیں اور اجتہاد کے دعویدار ہیں۔ ان مختلف گروہوں کی موجودگی میں ان تمام مختلف و متنوع مسائل کا ایک حل کیسے نکالا جائے۔ حکم حاکم موجود نہیں ہے، ورنہ فقہی اختلافات کے موقع پر وہ قول فیصل اور رافع نزاع ہوتا۔

اس صورتحال کے پیش نظر مولانا شہاب الدین ندوی نے اجتماعی نظام زکوٰۃ کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ فکری اور نظریاتی طور پر تو بڑا خوش آئند، مستحسن اور مفید ہے لیکن، اس کی عملی تطبیق اور اس میں پائی جانے والی دشواریوں پر قابو پانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، مختصر طور پر ان دشواریوں اور پیچیدگیوں کی طرف اشارہ ضروری ہے

ا۔ مسلمانوں کا کسی سیاسی تو کجا دینی استحکام و نظام میں بھی متحد نہ ہونا، کسی متحد امیر یا کم از کم شکل امیر کا موجود نہ ہونا۔

۲۔ امیر بنایا جا سکتا ہے لیکن کیسے اور کسے بنایا جائے؟ کیا امت اسلامیہ ہندیہ

اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ کسی ایک امیر پر متفق نہیں ہے ؟ ۔

۳۔ عقائدی بنیادوں پر تفریق، سنت و بدعت کی تقسیمات، فقہی اختلافات، فرقہ بندی، گروہی تعصب، تنگ نظری، انتہائی روشن خیالی، متعدد مکتبہائے فکر اور ان میں ایک دوسرے سے دوری اور اتنی بے زاری کہ ایک حلقہ میں ایک شخص اتقی الناس اور دوسری جگہ افسق الناس، ایک گروہ کے نزدیک جو شخص شیخ الاسلام دوسری جگہ پر وہی شخص اکفر الناس کے خطاب سے موسوم، ایک جگہ پر جو شخص افقہ الناس ہے تو دوسری جگہ پر اس کی شہرت اجہل الناس، ایک صراط مستقیم کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے تو دوسروں کی نظر میں وہ ضال و مضل ہے، نماز باجماعت جو ایک اجتماعی مرغوب عمل ہے اور امت اسلامیہ کی وحدت فکری و قلبی و جسدی کا سب سے بڑا مظہر ہے اس کیلئے مسجدیں الگ الگ ہیں، امام الگ الگ ہیں، جن کی اقتداء میں نماز پڑھنا ایک گروہ باعث سعادت و برکت سمجھتا ہے تو دوسرے کے نزدیک نماز ہی ادا نہیں ہوتی اس صورتحال میں یہ کیسے ممکن ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کو جو مالی برکات کا حامل بھی ہے کسی ایک گروپ کو سونپ دیں ۔

مختلف الخیال علماء کی مجلس شوریٰ

۴۔ ایسی کل ہند پیمانے پر بنائی گئی مجلس شوریٰ جس میں مختلف مکتبہائے فکر و فقہ کے نمائندے جمع ہوں کس طرح کس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں؟ اور اکثریت کی رائے پر اگر کسی مسلک کو ترجیح دی جائے گی تو ہمیشہ اکثریت والے گروہ ہی کی بات تسلیم کی جائے گی اور اقلیت میں رہنے والے فکری و فقہی گروپ اس پر راضی نہیں ہو سکتے اور کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اس لیے اس میں عقلی تشفی اور قلبی اذعان بھی شامل ہونا چاہیے وہ انہیں نصیب نہ ہوگا جو عبادت کی ادائیگی کی اہم شرط ہے۔

مخلص دیانتدار افراد کا قحط

۵۔ ایسے مخلص، بے نفس اور دیانتدار افراد کا پایا جانا جو کل ہند پیمانہ پر اس نظام کو چلائیں، جس کے لیے ہزاروں ہزار افراد درکار ہوں گے، محال نہیں تو مشکل ضرور ہے، یہ خطرہ بھی ہے کہ "عاملین علیہم" یعنی زکوٰۃ کے ادارہ میں کام کرنے والوں کے نام پر بڑی بڑی تنخواہیں، الاؤنس، مکان، فرنیچر، ٹیلیفون اور آرام دہ سواریوں کے اخراجات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے جیسا کہ سرکاری اداروں اور اوقاف وغیرہ کے بعض محکمہ میں ہوتا ہے اور اس طرح غریبوں کے حقوق کا بڑا حصہ اس میں خرچ ہو جائے۔

مدرسوں کی مشکلات

۶۔ مدرسوں اور دینی کام کرنے والوں کو ان کا حصہ رسدی اگر گھر بیٹھے مل جائے گا تو وہ کاہل ہو جائیں گے، محنت چھوڑ دیں گے پھر ان کے حصہ رسدی کے متعین کرنے کا ذمہ دار کون ہوگا اور سب مدرسے ان کے اس فیصلے پر کیونکر راضی ہوں گے جو چھوٹا سا مکتب ہوگا۔ وہ دار العلوم ہونے کا دعویٰ کرے گا، جہاں پچاس بچے ہوں گے، وہ پانچسو بتائے گا اور اس طرح عجیب و غریب قسم کی بدانتظامی ظاہر ہوگی۔

قوت نافذہ سے عاری مجلس

۷۔ اس موقع پر امیر اور اس ادارہ کے منتظمین کے پاس کوئی تنقیدی اور قانونی صلاحیت نہ ہوگی جو اختلاف کرنے والوں اور بے راہ روی کا مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کر سکے، ان تمام چیزوں کی موجودگی میں اس نظام سے کوئی خاطر خواہ فائدہ متوقع نہیں ہے۔

ایک ممکن العمل تجویز

اس کے بالمقابل یہ صورت زیادہ موزوں اور ممکن العمل ہے کہ امت مسلمہ کے اتحاد اور امارت کے قیام کی مشکلات پر قابو پانے تک یہ کیا جائے کہ جو علماء و فضلاء جس فقہی نقطہ پر مکمل یقین و اطمینان رکھتے ہوں اور جس مکتب فکر و نظر سے ان کا فطری اور قلبی لگاؤ ہو وہ الگ الگ اپنی تنظیمیں بنائیں، تحریر و تقریر اور اسلامی دلائل کی روشنی میں

عوام کو اپنے نقطۂ نظر سے جدال و خصام اور سب و شتم کے بغیر واقف و روشناس کریں اور جن میں قلبی اطمینان پیدا ہو وہ ان کو زکوٰۃ کی رقم ادا کریں اور منتظمین فقہی شروط کے مطابق ان کے مابین ان مصارف میں ایمانداری کے ساتھ خرچ کریں۔

یہ کام آسان بھی ہے، ممکن العمل بھی ہے اور مفید بھی، لیکن اس بات کی کوشش بھی جاری رہے کہ مرکزی اتحاد قائم ہو اور مرکزی بیت المال نمودار ہو سکے۔

اکیڈمک بحث جاری رہنا ضروری | فقہ اکیڈمیاں، تحقیقات و ابحاث کے تمام اکیڈمک ادارے اپنا کام جاری رکھیں اور کل ہند پیمانہ پر علماء، فقہا اور فکر و نظر رکھنے والے حضرات ان میں شرکت کریں اور قرآن و سنت، اقوال صحابہ، فقہاء و ائمہ کے اقوال کی روشنی میں دلائل شرعیہ کے ساتھ اپنی ابحاث و آراء پیش کریں اور اپنی آراء کے خلاف جو دوسری آراء پیش کی جائیں، ان پر بھی غور کریں اور بحث و مباحثہ اور جدال اسلامی کے اصولوں کی روشنی میں موافق و ملائم آراء کو واضح کریں تاکہ وحدتِ فکر کی راہیں ہموار ہوں اور ہمارے اسلاف کے مجتہدانہ کارناموں کی یاد تازہ ہو۔

زکوٰۃ انفرادی و اجتماعی ضروریات کی ضامن | اگر امت مسلمہ زکوٰۃ کی پوری رقم منظم طریقے سے ادا کرے تو امت مسلمہ کی جملہ انفرادی و اجتماعی، اقتصادی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے رشتہ مندوں، محلے والوں، دوستوں کی تعلیمی، سماجی نیز امت کی ہجومی و دفاعی اور نشر اسلام و حفاظت اسلام کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، شاید پروفیسر گب کا اس طرح کا قول ہے کہ :۔۔۔۔۔

"انسانیت آج اسلام سے مطالبہ کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات اور نظاموں کے زیر سایہ جو مشکلات پیش آ رہی ہیں انھیں حل کرنے میں اپنا رول انجام دے"

اور یہ واقعہ بھی ہے کہ نہ صرف سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام بلکہ دنیا کا کوئی بھی اقتصادی نظام جو انسانوں کے محدود علم و تجربہ پر مبنی ہوگا وہ ان مشاکل کا کوئی دیرپا اور صحیح حل پیش نہیں کر سکتا جو خدا کا نازل کردہ آسمانی نظام پیش کرتا ہے۔

اقتصادی نابرابری غارتگر ہے | آج دنیا اقتصادی بدحالی اور سرمایہ کی رسہ کشی میں مبتلا ہے، کوئی مال کی کثرت کی وجہ سے "تخمہ" کا شکار ہے تو کوئی محرومی کی وجہ سے جوع البقر کا بیمار ہے، کسی کو پیٹ بھرنے کے لیے ایک لقمہ میسر نہیں کوئی پانی کے قطرہ سے محروم ہے، کسی کا تن لباس سے عاری ہے اور کوئی جواہر سے مرصع لباس زیب تن کیے ہوئے ہے، کوئی سایہ سے محروم اور کوئی کئی کئی ایکڑوں پر عالیشان محل بنا رہا ہے یہ صورتحال یقیناً انسانیت کے امن و امان کے لیے غارت گر اور تہذیب و تمدن کے گلشن کو اجاڑنے والی ہے۔

امت دعوت کا فریضہ عصر حاضر میں | مسلمان امت دعوت ہیں، یہ لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ یقیناً وارثین نبوت علماء و فقہاء کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ انسانیت کو صراط مستقیم دکھائیں اور شاہراہ عدل و امن کی نشاندہی کریں۔ آج نہ صرف اسلام کے مالی نظام کی خوبیاں بیان کرنی ضروری ہیں بلکہ دیوالیہ انسانیت اور ظلمت و نظم ہائے انسانی میں پلنے والی آدمیت کو اسلام کے عقائدی، عباداتی، سماجی تعلیمات اور اسلام کے جنائی نظام قصاص کی حدود و تعزیرات حکمتیں بیان کرنی اولین فریضہ ہے تاکہ تشنہ لب انسانیت اس چشمہ آب حیواں سے اپنی عقلی، قلبی اور روحانی پیاس بجھا سکے۔

عربی زبان کے ارتقا میں حدیث نبوی کا حصہ

از پروفیسر محمد اجتبا ندوی۔ نئی دہلی۔

دور جاہلیت میں عربی زبان عرب قوم ہی کی طرح صحرائے عرب میں محصور تھی، اہل عرب تپتے ہوئے ریگزاروں اور شعلہ بار خشک پہاڑوں سے الفاظ و کلمات اور معانی اخذ کرتے تھے اور اپنی صحرائی زندگی سے تعلق رکھنے والے چند بندھے ٹکے اصناف سخن میں طبع آزمائی اور مشق سخن کرتے تھے جس میں ان کو بے پایاں قدرت، غیر معمولی مہارت اور قابل رشک تفوق و برتری حاصل تھی، یہ صحرائی امت اپنی زبان کی طرح بہت سی خوبیوں اور اعلیٰ صفات کی بھی حامل تھی، یہی وجہ تھی کہ اسے آخری آسمانی پیغام کا حامل بنایا گیا اور اس کی زبان میں ربانی صحیفہ نازل ہوا اور اشرف الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کے اندر ہوئی اور اسی شرف کی بدولت وہ خیر امت قرار پائی اور اس کی زبان کو عالمی اہمیت اور قدر و منزلت سے نوازا گیا، اس دور کی معروف و متمدن دنیا عربوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ فارس و روم کی ترقی یافتہ حکومتیں انہیں لائق اعتنار نہیں سمجھتی تھیں اس لیے ان کی زبان کو بھلا وہ کیا اہمیت دیتیں اور ان کی شاعری کو وہ کیا خاطر میں لاتیں۔

لیکن اسلام، قرآن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و سیرت اور حدیث و سنت نے اسی ناقابل اعتنار امت عربیہ کو اتنا بلند کیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس

عہد کی ترقی یافتہ دنیا اور حکومتیں نہ صرف اس کے زیر اثر آگئیں بلکہ انہیں عزت، عظمت ریاست، سلطنت اور قیادت حاصل ہوگئی اور مختصر سی مدت میں وسطی ایشیا سے مغربی افریقہ تک ان کے دین، شریعت، تہذیب اور زبان کا بول بالا ہوگیا، یہ در اصل اس پیغام الٰہی کی برکت تھی جسے انہوں نے اپنے سینہ سے لگایا اور اس کلام الٰہی کا فیض تھا جسے انہوں نے سرمۂ چشم بنایا اور اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تھی جس کو انہوں نے اپنا رہبر و رہنما اور قائد و پیشوا بنایا، جنھوں نے اپنی احادیث کے ذریعہ سے عربی زبان کو اتنا بڑا ذخیرہ عطا کر دیا کہ جس کی بنا پر تنگی، کمی، کوتاہ دامنی اور بے مائیگی نہ رہی اور ہر دور و زمانہ، ہر ملک و سلطنت اور ہر قوم و ملت کے لیے کشادہ اور ترقی یافتہ زبان کے طور سے جانی پہچانی جاتی رہی اور آج اس دور میں وہ ایک وسیع، متمدن اور ترقی یافتہ زبان سمجھی جاتی ہے یہ اس کی وسعت، ہمہ گیری اور صلاحیت ہی تو ہے کہ اقوام متحدہ کی چھ زبانوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو ہر اسلامی عہد میں تمام تر ضروریات کو بوجہ اتم پوری کرتی رہی ہے اور آج بھی کر رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور آپؐ کے ذریعہ اس میں وسعت و ترقی

عربی زبان کو یہ صلاحیت، ترقی اور وسعت قرآن مجید کے بعد حدیث نبویؐ کے ذریعہ حاصل ہوئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربی بولنے والوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے، آپ قریش اور بنو ہاشم میں پیدا ہوئے جن کی زبان فصیح اور معیاری تھی، قبیلہ بنو ہوازن میں وہ مدت گذاری جس میں زبان کا سلیقہ اور ملکہ حاصل ہوتا ہے، ہوازن عرب کا وہ ممتاز قبیلہ تھا جس کی زبان اعلیٰ و فصیح تھی۔ وحی الٰہی اور حضرت جبریل علیہ السلام سے آیات قرانی حاصل کرنے کی وجہ سے آپؐ کی

زبان پاکیزہ، ستھری، نکھری، شیریں، صاف، واضح اور شگفتہ و رواں ہوگئی تھی آپکو زبان کی روح، مزاج اور اس کے اسرار و رموز کا مکمل علم حاصل ہوگیا تھا، چنانچہ آپ کی احادیث کے ذریعہ عربی زبان میں اضافہ اور وسعت ہوئی، ڈاکٹر محمد ضاری حماوی رقمطراز ہیں:

"قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی سب سے زیادہ فصیح الکلام اور بلند ترین زبان تھی جو امتیازی موضوعات سے مالا مال اور الفاظ کے ذخیروں سے بھری تھی، حدیث کو عربی زبان میں عظیم الشان مقام حاصل ہے اور اس نے بڑا موثر کردار ادا کیا ہے، اس کے لہجوں، نادر و انوکھے الفاظ کو باقی رکھنے اور اس میں اضافہ اور اس کے ارتقاء میں اس کا بڑا حصہ ہے، زبان کے رنگ و آہنگ، ترکیب و اسلوب، ادب وبیان، جمع و ترتیب، استدلال و توثیق، نحو و صرف اور تنقید و توضیح میں اسکے اثرات نمایاں ہیں[1]"

حدیث نبوی نے عربی زبان کو وسعت دینے کے لیے اسے جو نئے الفاظ، نئی تعبیر اور نئے اسلوب عطا کیے، اس سلسلے میں اہل زبان نے مندرجہ ذیل وسائل شمار کیے ہیں۔

مجاز، ارتجال، اشتقاق، نحت، قیاس اور تعریب، مختصراً اسکی دو شکلیں ہوسکتی ہیں: معنوی تبدیلی اور لفظ کا اضافہ۔

معنوی تبدیلی | اس طرح کی گئی کہ عربی زبان میں ایک لفظ ایک خاص اور محدود معنی رکھتا تھا، حدیث نبوی نے اس کو دوسرے وسیع تر معنیٰ عطا کیے جیسے: الصلاۃ،

[1] الحدیث النبوی الشریف واثرہ فی الدراسات اللغویۃ والنحویۃ ص۔

الصیام، الزکاۃ، الحج، الصرورۃ، الصرعۃ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان الفاظ کی وضاحت فرمائی تو وہ اس لغوی معنی سے مختلف تھی جسے عرب جانتے تھے، آپ کی تشریح کے بعد یہی الفاظ شرعی حقائق کے حامل ہوگئے چنانچہ "الصلاۃ" جو اللہ تعالیٰ کے کلام (وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) میں وارد ہے اس کے لغوی معنیٰ "دعا" ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مخصوص عبادت ہے جس کو عملی طور پر ادا کرکے آپ نے فرمایا: "صلوا کما رأیتمونی اصلی" یعنی تم اس طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اسی طرح صیام و زکاۃ کی تشریح فرمائی۔ حج کے لغوی معنی قصد ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے شرعی عبادت کے معنی میں اس لفظ کو منتقل فرمادیا: "ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا"[1]۔ "الصرورۃ" کے لغوی معنی "قید و رکاوٹ" کے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تجرد اور شادی نہ کرنے کے معنی میں منتقل فرمادیا، اسی طرح الصرعۃ: کشتی میں پچھاڑنے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا لیکن شارع ؑ نے اس کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ غصہ پر قابو پالینے کو صرع کہتے ہیں۔

ابن برہان نے ان الفاظ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لغوی معنیٰ سے شرعی معنی میں منتقل فرمادیا اور یہ منتقلی کلام عرب کی ایک قسم "مجاز" کے دائرہ میں آتی ہے۔[2] شیخ عبدالوہاب خلاف اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک یہی قول درست ہے کہ یہ منتقلی ہے تخصیص نہیں ہے، کیونکہ شارع ؑ

[1] النہایۃ ۱/۲۲۴ [2] الحدیث النبوی ص ۱۲۳، المزھر ج ۱ ص ۲۹۵-۲۹۹۔

نے (بطور مثال "صیام" کے لیے ایک مخصوص حقیقت بیان کی ہے اور وہی مراد لی جائے گی، اس کے ماسوا معنی میں بغیر قرینہ کے استعمال نہیں ہو سکتی اور یہ نقل اور ترتیب جدید کی علامت ہے۔"[۱]

اسماء سے متعلق دو مثالیں اور ملاحظہ ہوں :

۱۔ "اذا ابتلت النعال فصلوا فی رحالکم" (جب بارش کی زیادتی سے چلنا مشکل ہو تو اپنے کجاوہ میں نماز ادا کر لو) "رحال" سے یہاں مراد "گھر" ہیں حالانکہ عرب "رحل" یا "رحال" اونٹ کے کجاوہ کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔

۲۔ حدیث نبوی ہے (لا تمثلوا بناقة الله) 'ای بخلق الله' ناقہ کو مخلوق کے معنی میں منتقل فرمایا۔

اس نوعیت سے وضاحت اور تشریح کی وجہ سے الفاظ اور اس کے مدلول و مفہوم نے مختلف شکلیں اختیار کیں جس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ معنی میں تنگی ۲۔ معنی میں توسیع ۳۔ اور معنی کی منتقلی، معنی کی تنگی سے مراد "عام کو خاص کرنا" اور توسیع کا مقصد "خاص کو عام کرنا"، اور منتقل کرنے سے مقصود "مجاز" ہے۔[۲]

علماء نے اس بارے میں فرق کو بیان کرتے ہوئے مثال دی ہے : "حج اور السبت (سنیچر کا دن)" "حج" کو مخصوص معنی شریعت نے دیے ہیں جبکہ شنبہ (السبت) لغوی تخصیص ہے کیونکہ لغت میں اس کے معنی "زمانہ" کے ہیں لیکن لغت ہی نے اسے ہفتہ کے دنوں میں سے ایک "دن" کے طور سے استعمال کیا اور یہ زمانہ کے دنوں میں سے

---

[۱] الحدیث النبوی ص۲۳۲، المزہر ج ۱ ص ۱۰، ۲۹۹ والاصطلاحات الفقہیہ [۲] الحدیث النبوی ص ۱۲۹، ...... اور المزہر ۱/۴۲۷۔

ایک دن ہے۔

لفظ کے اضافہ یا لفظ کی توسیع کی مثال کا ذکر امام ابو حاتم رازی نے اپنی گرانقدر تصنیف (الزینة فی الکلمات الاسلامیة العربیة) میں ان الفاظ میں کیا ہے :

"چند اسماء جو عربی الفاظ سے مشتق ہیں لیکن عربوں کو اس سے قبل ان کا علم نہیں تھا مثلاً: "مسلم، مومن، منافق اور کافر" عرب ان سے قطعی ناواقف تھے، اس لیے کہ اسلام، ایمان، نفاق اور کفر کا ظہور عہد نبوی میں ہوا۔ عرب تو کافر "نعمت کی ناشکری کرنے والے" کے معنی میں جانتے تھے، "کفر باللہ" کے معنی میں یہ لفظ نہیں گذرا تھا۔"[۱]

ان جیسے اسلامی الفاظ اس کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے کہ اس کے نتیجہ میں فقہی اصطلاحات کا ایک عظیم ذخیرہ جمع ہو گیا اور اسے قانون و تشریع اور احکام و مسائل میں استعمال کیا جانے لگا جس کی وجہ سے کسی مدرس و استاذ، قانون داں، قاضی اور جج کو کوئی تنگی محسوس نہ ہوئی، اسی اسلامی و عربی ذخیرہ کے طفیل میں امام ابو حاتم رازی اور محمد[۲] بن اعلیٰ تھانوی جیسے حضرات کی اصطلاحات اور اسلامی کلمات سے متعلق گرانقدر اور عمدہ کتابیں ظہور پذیر ہوئیں۔

لفظی تبدیلی | دوسری قسم کو ڈاکٹر صبحی الصالح رحمہ اللہ نے "تولید" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کہ "ہر لفظ کی پیدائش ہوتی ہے اور ہر لفظ میں افزائش"[۳]، اس کی مختلف شکلیں ہیں مثال کے طور پر ارتجال، اشتقاق اور تعریب وغیرہ۔

---

[۱] الزینة ج ۱ ص ۱۲ [۲] کشاف اصطلاحات الفنون [۳] دراسات فی فقہ اللغة ص ۱۸۲۔

ارتجال: وہ وضعی الفاظ جو پہلے کبھی نہ سنے گئے ہوں، لیکن یہ اسی وقت قابل قبول ہوں گے جب وہ کسی فصیح و بلیغ شخص کی وضع و ایجاد ہوں اور ان کی فصاحت و بلاغت کہیں سے داغ دار نہ ہوئی ہو۔ حدیث نبوی نے اس قسم کے الفاظ کا گراں بہا مجموعہ عربی زبان کے ارتقا و اضافہ کے لیے پیش کیا ہے جس کا وجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نہیں ملتا ہے، حدیث غریب میں لکھی جانے والی کتابوں نے اس سلسلہ میں لائق ستائش خدمت انجام دی ہے، ایک معاصر محقق نے لکھا ہے کہ:

"اگر ہم چاہیں تو دسیوں بلکہ سینکڑوں مثالیں اس نوعیت کی پیش کر سکتے ہیں جو ہمیں حدیث غریب کی کتابوں میں بکثرت مل جائیں گی اور وہ سب کی سب ایسے الفاظ کی نشاندہی کرتی ہیں جن کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوا ہے اور شاید صرف حدیث میں ہی ہوا ہے[1]"

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (ایما رجل اغلق بابه على امرأته وارخى دونها استارة فقد تم صداقها) (استار بمعنی پردہ) ثنط یا نثط غریب یا دخیل لفظ ہے حدیث کعب میں ہے اور کہیں نہیں دیکھا یا سنا گیا۔ النجاع، عساء (تغن وبعساء وتروح بعساء) الصیر (دروازہ کی دراڑ) الزمارۃ (حرام کاری کرنے والی عورت) مسہ مستہ، اعرنجم، الهراء، امة، الکیول (پچھلی صف میں جنگ کرنیوالا) کسی غزوہ میں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے تلوار مانگی، آپ نے فرمایا: "اگر میں تم کو تلوار دیدوں گا تو تم پچھلی صف میں جاکر

[1] مقالہ: مشکلات القیاس، ڈاکٹر شاہین ص ۲۱۴، بحوالہ الحدیث النبوی ص ۱۳۷۔

جنگ کرو گے، اس نے کہا کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا، آپ نے تلوار عنایت فرمادی وہ شخص جنگ کرتا جاتا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا ؎

انی امرؤ عاهدنی خلیلی — الا اقوم الدهر فی الکیول

"میں ایسا شخص ہوں کہ میں نے اپنے محبوب دوست سے عہد کیا ہے کہ میں کبھی بھی پچھلی صف میں نہیں کھڑا ہوں گا"

ابو عبید لکھتے ہیں کہ یہ لفظ حدیث شریف کے سوا اور کہیں نہیں سنا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تشبیہیں اور جانوروں و اشیاء کے نام استعمال فرمائے ہیں جو آپ سے قبل نہ استعمال ہوئے اور نہ سنے گئے چند مثالیں ملاحظہ ہوں: آپ نے اس گھوڑے کو جو مسلسل برق رفتاری سے دوڑتا رہے اسے بحر (سمندر) سے تشبیہ دی، صحیح مسلم میں چند الفاظ ذکر کیے گئے ہیں جو عربی زبان میں حدیث نبوی کا عطیہ ہیں: ناعوس البحر (بھنور یا وسط سمندر) المتیخنة (چھڑی یا کھجور ڈنٹھل) بیا (حیاک کے ساتھ) بہترہ (مہینہ کا آغاز یا درمیانی دن۔ مراد ایام بیض ہیں) سفر، حظیرۃ القدس (جنت) الضراح۔ بولس۔ حیزوم۔ اسوان (حرم مدینہ) رسوب (تلوار کا ایک نام) زلوق (آپ کی ڈھال) شحاء (آپ کے گھوڑے) مندوب۔ لزاز اور ملاوح۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت کے ناموں کو بھی تبدیل فرمایا مثلاً: ایک شخص کا نام (غاوی بن عبد العزی) تھا، آپ نے (راشد بن عبد ربہ) رکھدیا، کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ "ہم بنو غیان" ہیں آپ نے فرمایا: نہیں تم "بنو رشدان" ہو اور مشہور نجدی شاعر و فخر سترا "زید الخیل" کو "زید الخیر" کے نام

سے تبدیل فرمایا اسی طرح مہینوں کے نام بھی بدلے اور کبھی ان کے نام بھی رکھے، جیسے "محرم" جاہلیت میں اس نام کا کوئی مہینہ نہیں تھا، دونوں مہینوں کو ملا کر "صفرین" کہتے تھے، حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "افضل الصیام بعد رمضان شہر اللہ المحرم" رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں۔

پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اشتقاق اور اس کے بعد نحت یعنی الفاظ کی تراش خراش زبان کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا "انا الرحمن خلقت الرحم وشققت لہا من اسمی" (میں رحمٰن ہوں رحم کو پیدا کیا اور اس کا اپنے نام پر اشتقاق کیا)[1]

"نحت" کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں: البسملۃ (بسم اللہ) الھیللۃ (لا الٰہ الا اللہ) الحوقلۃ (لاحول ولا قوۃ) الحمدلۃ (الحمد للہ) تعریب (یعنی غیر عربی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنا) نے زبان کے سرمایہ میں بڑا اضافہ کیا ہے استاذ احمد حسن زیات کے بقول: تعریب کے مسئلہ کو قدیم شاعری اور قرآن شریف وسنتِ صحیحہ نے حل کیا ہے[2] اس کی کچھ مثالیں پیش ہیں:۔ برزاق وبرزق (گروہ) فارسی لفظ، بیج: قمیص یا سیاہ اونی کپڑا، زرمق شقق۔ دیباج۔ خنبج ۔ ماس۔ موم۔

حدیث نبوی نے مذکورہ بالا طریقوں سے عربی زبان کو جس طرح بڑا ذخیرہ اور سرمایہ عطا کیا اسی طرح بعض الفاظ کو جو جاہلیت میں رائج تھے زبان سے خارج بھی کیا اور اسلام کے بعد اس کا استعمال ختم ہو گیا جیسے:

---

[1] اللغۃ والنحو بین القدیم والحدیث: عباس حسن، ص ۴۰ [2] مجمع اللغۃ العربیۃ: مقالہ ۸/ص ۱۱۱۔

مرباع۔ نشیطہ۔ فضول۔ انعم صباحا۔ انعم ظلاما۔ ابیت اللعن۔

اور کچھ الفاظ کے متبادل استعمال کرنے کا حکم فرمایا: (عدع کے بجائے لعلع (زیادہ نفع بخش وبلند) "تیم اللات" کے بجائے تیم اللہ، "عبدی" کے بجائے "فتای" "ربی" کے بجائے "سیدی" کرم (انگور) کے بجائے عنب وحبلہ۔

الفاظ وکلمات ہی کے ذریعہ مضامین کی صورت گری ہوتی ہے، انہیں کو جوڑا اور ترتیب دیا جاتا ہے جسے ترکیب کہا گیا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ترکیب لغوی ۲۔ ترکیب بیانی۔

ترکیب لغوی کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کو صحیح طور سے جوڑ کر ایسا پیکر تیار کر لیا جائے جس سے کوئی معنی سمجھ میں آئے۔

اور ترکیب بیانی کا عمل الفاظ کے صحیح طور پر جڑ جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اس کی کچھ متعینہ خصوصیات ہیں جس میں معانی کے اسرار ورموز آتے ہیں، ان کو قلب ووجدان میں منتقل کرتے وقت ساز وسوز کا احساس ہوتا ہے اسکے وسائل تشبیہ، مجاز، کنایہ، استعارہ وغیرہ ہیں، حدیث نبوی میں ان دونوں قسموں کی واضح مثالیں ملتی ہیں جس نے زبان میں زبردست کشش، حلاوت اور سلاست پیدا کر دی، اس کی مثالیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام موجز اور جوامع الکلم میں ملتی ہیں۔

"مالک من مالک الا ما اکلت فافنیت، او لبست فابلیت او اعطیت فامضیت" (تمہاری دولت میں سے تو صرف وہی مال ہے جو تم نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا، یا دے کر درگذر کر دیا۔)

آپ نے حضرات انصار سے فرمایا: "انکم تکثرون عند الفزع وتقلون عند الطمع" (تم لوگ تو کسی خوف و ناگہانی کے وقت خوب جمع ہو جاتے ہو اور کسی منفعت یا لالچ کے وقت کم تعداد میں نظر آتے ہو)

آپ نے ارشاد فرمایا: "رحم اللہ امرءً أخیرا فغنم، او سکت فسلم" (اللہ اس شخص پر کرم فرمائے جس نے بھلی بات کہی تو نفع اٹھایا اور خاموشی اختیار کی تو محفوظ رہا)

عربی زبان میں آپ کے اضافے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی کے کچھ ایسے جملے ارشاد فرمائے جو آپ سے قبل عربی زبان میں نہ تھے اور نہ سُنے گئے تھے۔ مثال کے طور پر: "مات حتف انفه" اپنی موت آپ مرگیا "حمی الوطیس" (تنور بھڑک اٹھا) گھمسان کی جنگ مراد ہے۔
"لایلدغ المومن من جحر مرتین" ایمان والا ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جاسکتا، یہ ایسے الفاظ و جملے ہیں جو بطور مثل استعمال کیے جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ: میں نے اگر کوئی جملہ کسی عربی سے سُنا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی سُنا لیکن آپ کا یہ جملہ "مات حتف انفه" کسی عربی سے کبھی نہیں سُنا[1]

ابن درید نے ذکر کیا ہے کہ مندرجہ ذیل جملہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی عربی کی زبان سے نہیں سُنا گیا: "لا ینتطح فیها عنزان"[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ عظیم و نفیس اور عجیب جملوں اور حدیث کے مجموعوں (کلمات) نے عربی زبان کے ارتقاء، اضافہ اور ذخیرہ کو بڑھا کر دنیا کی ترقی یافتہ اور وسیع ترین زبان بنا دیا، علماء و فقہائے لغت نے ان ماثورات کی شکل خواہ وہ الفاظ کی

[1] الحدیث النبوی ۱۶۷ [2] ابن درید: المجتنی ص ۱۷-۱۶، المزہر ا ص ۳۰۲۔

شکل میں ہوں یا نادر ترکیبی جملوں کی صورت میں انہیں جمع کیا، تحقیق کی اور عام استفادہ کیلئے اس کو مرتب کردیا، ابن درید نے اپنی کتاب (المجتنی) کے باب اول میں یہ عنوان قائم کیا ہے (باب ما سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یسمع من غیرہ) وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا گیا اور کسی دوسرے سے نہیں سنا گیا[1] اس باب میں ان احادیث نبویہ کا شاندار اور عطر بیز گلدستہ مرتب کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"یا خلیل اللہ ارکبی"۔ الحرب خدعة۔ الناس کاسنان المشط۔ الاعمال بالنیات۔ الیمین الفاجرة تدع الدار بلاقع (گناہ آلود قسم گھر کو کھنڈر بنا کر چھوڑتی ہے)

ابوالفضل میدانی اور مفضل بن سلمہ نے چند حدیثوں کو رقم کیا ہے جو مثل کے طور سے زبان زد خلائق ہو گئی ہیں اور یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیات میں سے ہیں، آپ سے قبل کسی نے اس طرح کے جملے اور ترکیبیں نہیں استعمال کیں۔

"لیس الخبر کالمعاینة" "سبقک بها عکاشة" "ما المسئول باعلم من السائل"[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی بعض مجلسوں میں گفتگو کے دوران کچھ "نئے" اور "غریب" الفاظ استعمال فرماتے تھے جن سے وہ مانوس نہ ہوتے یا جانتے نہ ہوتے تو وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے آپ اس کی وضاحت فرماتے تھے، مثال کے طور پر آپ نے ابو تمیمہ ہجیمی سے فرمایا: "ایاک والمخیلة" تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم عرب ہیں مخیلة کے

[1] المجتنی ص ۱۲ [2] الحدیث النبوی ص ۱۶۹ مجمع الامثال ج ا ص ۸۰، الفاخر ص ۲۶۸-۳۱۱۔

کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "سبل الازار" (لنگی ٹخنوں سے نیچی رکھنا) اس سے مراد تکبر ہے، آپؐ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: "لعن اللہ المثلث" دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسولؐ: مثلث کون ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:- (الذی یسعی بصاحبہ الی سلطانہ فیھلک نفسہ وصاحبہ وسلطانہ)

اسی طرح عرب وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپؐ ان سے گفتگو فرماتے، حاضرین اس گفتگو کے بہت سے الفاظ وکلمات سے ناآشنا ہوتے تھے، اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جو اپنی فصاحت اور عربی زبان کے اسرار ورموز سے گہری معرفت کی بنا پر ایک مقام کے مالک تھے) کو سوال کرنا پڑا کہ "اے اللہ کے رسولؐ: ہم ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں، ہم آپؐ کو دیکھتے ہیں کہ آپ وفود عرب سے ایسی زبان میں بات کرتے ہیں کہ جس کا بیشتر حصہ ہم نہیں سمجھتے ہیں[1]"

فنی نثر نگاری | حدیث نبویؐ نے عربی زبان کی ایک اور صنف پر بڑا گہرا دور رس اور ہمہ گیر اثر ڈالا جس نے عرب کی زندگی اور اس کی طویل تاریخ اور ادبی سرمایہ کو چار چاند لگادیے، یہ صنف فنی نثر نگاری (ARTISTIC PROSE) کی ہے جس کے نمایاں حصے خطابت اور فنی انشا پردازی ہیں۔

دور جاہلیت میں لوگ خطابت سے آشنا تھے اور قس بن ساعدۃ الایادی دور جاہلیت کا سب سے بڑا مقرر تھا جس کی خطابت کو مثل کے طور پر ذکر کیا گیا۔ (اخطب من قس)، دوسرا مقرر جس کی فصاحت بیان مشہور تھی وہ سحبان بن زفر وائل تھا، کہا جاتا تھا (افصح من سحبان) اس کو اسلامی عہد بھی ملا اور ۵۴ھ میں

۱؎ الحدیث النبوی ص ۴۲ - ۱۴۵ بحوالہ النھایۃ ابن الاثیر۔

اس کا انتقال ہوا[1] لیکن دور جاہلی میں بقول ڈاکٹر شوقی ضیف: "کوئی مستقل و متعین موضوع نہ ہوتا، تقریر چند بکھرے ہوئے جملوں اور حکمت و نادانی کے کلمات کا مجموعہ ہوتی[2]"

خطابت میں ترقی | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عربی خطابت نے بڑی ترقی کی، تاثیر، سحر انگیزی، انقلاب آفرینی، وحدت موضوع اور مردم سازی کا عظیم کردار ادا کیا، اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربوں میں سب سے زیادہ فصیح اور سب سے بڑے خطیب تھے، آپؐ کے خطبات کے سامنے قس و سحبان گونگے اور بونے لگتے ہیں، بلاغت وفصاحت، ذہانت و دانائی نیز وحدت موضوع اور پیغام کی قدسیت واہمیت میں آپؐ کا کوئی مدمقابل نہیں[3]، عربی کے بہت ممتاز ادیب وانشاپرداز، عظیم مصنف اور زبان وادب کے خاص ماہر ابوعثمان جاحظ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطیبانہ بلاغت واعجاز کو عربی زبان وادب کا قیمتی اثاثہ کہا ہے اور آپؐ کے خطبۂ حجۃ الوداع کو بطور مثال نقل کیا ہے، جو درج ذیل کلمات پر مشتمل ہے، جس کی نظیر نہیں ہے:

"حمد اللہ واثنیٰ علیہ، ثم قال:- ایھا الناس ان لکم معالم فانتھوا الی معالمکم، وان لکم نھایۃ فانتھوا الی نھایتکم، ان المومن بین مخافتین: بین عاجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع بہ وبین آجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض فیہ، فلیاخذ العبد من نفسہ لنفسہ، ومن دنیاہ

۱؎ الاعلام: الزرکلی ج ۳ ص ۱۲۳ ۲؎ الفن ومذاھبہ فی النثر العربی ص ۲۳ ۳؎ الحدیث النبوی ص ۷۲ - ۱۷۱۔

لآخرته، ومن الشبيبة قبل الكبرة، ومن الحياة قبل الموت، فوالذی نفس محمد بيده ما بعد الموت من مستعتب، ولا بعد الدنيا من دار الا الجنة او النار"[1]

استاذ محمد خلیل خطیب نے اپنی کتاب (اتحاف الانام) میں آپ کے خطبوں کا ایک شاندار مجموعہ اکٹھا کیا ہے جن کی تعداد پانچ سو ستر (۵۷۰) ہے[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطابت کے کچھ اصول و ضوابط بھی بنائے جو دور جاہلیت میں نہیں تھے، مثال کے طور پر آپ خطبہ کا آغاز "اللہ تعالیٰ کی حمد و تقدیس اور اس کے رسول پر درود و صلوٰۃ" سے فرماتے تھے، نیز قرآن کریم کی آیات و احادیث نبویہ سے خطبہ کو آراستہ فرماتے تھے، آپ کی خطابت کا اثر عرب خطیبوں اور خاص طور سے خلفائے راشدین میں نمایاں ہوا، آپ نے نماز جمعہ و عیدین میں خطبہ کو ضروری قرار دیا، اس نے عربوں کو دینی خطابت کی ایک منظم شکل فراہم کر دی جس سے وہ ایام جاہلیت میں ناواقف تھے"[3]

عربی ادب کی صنف خطابت کی جانب زیادہ توجہ اس وجہ سے بھی مبذول کی گئی کہ یہ دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے لیے بہت کامیاب وسیلہ تھی اور اس نے اتنی نمایاں اور محسوس ترقی کی کہ عہد اسلامی میں خطیب کو شاعر پر ترجیح دی جانے لگی کیونکہ ہمت افزائی، اتحاد و وحدت، صف بندی اور دشمن کے دلوں میں رعب و خوف پیدا کرنے کے لیے خطابت کی زیادہ ضرورت تھی، جبکہ دور جاہلی میں شاعر کو خطیب پر

---

[1] البیان والتبیین ج ۱، ص۳۰۲ [2] الحدیث النبوی ص ۱۷۰، حاشیہ ۳ [3] الفن و مذاهبه فی النثر العربی، ص۱۲۰۔

ترجیح حاصل تھی جو قومی کارناموں اور نخوت و عظمت کے گن گاتا تھا اور دشمن کے لیے حوصلہ شکنی کا سبب بنتا تھا[1]

تحریر و انشا پردازی بطور فنی نثر کے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی ظہور پذیر ہوئی اور عربوں کو معلوم ہوا کہ وہ کس طرح سیاسی، تنظیمی، شخصی، سماجی، اخلاقی اور پند و نصیحت کے مقاصد میں نثر کو استعمال کریں، اسی وجہ سے مورخین ادب کی تحقیق یہ ہے کہ عرب دور جاہلی میں فنی نثر سے آشنا نہ تھے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے واضح طور سے لکھا ہے کہ "فنی نثر اسلامی ہے جاہلی نہیں ہے"[2]

حدیث نبوی نثر و انشا پردازی کا ایک بڑا خزانہ اور ذخیرہ ہے جس سے ادیب و انشا پرداز ہر عہد میں اپنے رقعات و رسائل، نثر و نظم میں استفادہ کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں اور ہمیشہ اساطین ادب، نبوی اسلوب تحریر کے اختیار کرنے کی جانب اہل قلم کو توجہ دلاتے رہے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ انشا پرداز کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقہ اور اصول پر غور کریں اور حدیث نبوی اور کلام صحابہ سے اس بارے میں روشنی حاصل کریں[3]۔ ابو العباس قلقشندی رقمطراز ہیں:

"انشا پرداز اور اہل قلم کے لیے ضروری ہے کہ احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کی روایتوں کے بڑے ذخیرہ کو یاد کر لیں اور اس کی فصاحت، معانی اور غریب دانوکھے الفاظ پر غور کریں اور ضروری احکام کی معرفت حاصل کریں تاکہ انکے پاس معتد بہ مقدار میں سرمایہ جمع ہو جائے، جس کو حسب ضرورت استدلال و

---

[1] البیان والتبیین ج ۱ ص۲۴۱ [2] تاریخ ادب عربی ج ۲، ص۲۲ والحدیث النبوی ص۱۲۴ [3] ادب الکاتب ص۱۱

• حجت کے طور پر استعمال کر سکیں[1]۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی کی بدولت عربی زبان میں اتنی وسعت و ترقی ہوئی کہ اس نے جزیرہ عرب کے محدود دائرہ اور گنے چنے اصناف و موضوعات کے مقابلہ میں ایک وسیع و عریض علمی و ادبی، دینی و اخلاقی میدان میں قدم رکھا اور زندگی کے ہر شعبہ کو محیط و شامل ہوگئی، خواہ اس کا تعلق قانون و تشریع سے ہو یا وقایع و تاریخ سے ہو، دینی عقائد و اخلاقیات و معاملات سے ہو، یا سائنس و ٹکنالوجی، سماجی اصلاح، سیاسی نظام، خاندانی فلاح و بہبود، علم ہیئت و فلکیات اور حیوانات و نباتات کے علم و سائنس سے متعلق ہو، یا اسکے ماسوا موضوعات ہوں ہر ایک کی ترجمانی بآسانی کرتی رہی اور کر رہی ہے[2]۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور اسلام نے اسے ایک عالمی زبان کا درجہ ہی نہیں عطا کیا بلکہ اسے بین الاقوامی سطح پر تقدس و عظمت دلا کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ بلاشبہ عربی زبان کی اس شہرت و مقبولیت میں احادیث نبوی کو بڑا دخل ہے جو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔

---

[1] صبح الاعشیٰ ج ۱ ص ۲۱-۲۲۰۔ [2] فقہ اللغۃ: ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی ص ۱۵-۱۱۴۔

دیوان قصائد خاموش

از پروفیسر سید امیر حسن عابدی، دہلی۔

"الذریعہ الی تصانیف الشیعہ[1]" میں رائے صاحب رام متخلص بہ خاموش کا ذکر آتا ہے۔ اس کے مندرجات کے مطابق وہ دہلی میں پیدا ہوئے، مگر بنگال میں سکونت اختیار کی۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ تہران کے کتابخانہ ملک میں موجود ہے، جس میں پانچ ہزار شعر ہیں اور جس کی کتابت تیرہویں صدی ہجری میں ہوئی تھی، اس کے خطاط ظہور متخلص بہ شاد ہیں۔ ڈاکٹر خیامپور نے بھی خاموش دہلوی کا ذکر کیا ہے[2]۔

صاحب "صبح گلشن" نے کہا ہے کہ "خاموش سخنوری از ہندوان عالی مقام است[3]"، اور مولف "تذکرۂ شعرائے ماضی" کہتے ہیں "خاموش مرد رنگین مزاج بود[4]"، نیز دونوں نے انکا یہ شعر نقل کیا ہے:

فرض کردم ہمہ تقصیر من است   بعد ازین گو کہ چہ تقصیر من است

---

[1] آقا بزرگ الطہرانی: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، القسم الاول من الجزء التاسع (ص ۲۹۵)، الطبعۃ الثانیہ، دار الاضواء، بیروت [2] دکتر ع خیامپور: فرہنگ سخنوران (ص ۱۸۴)، ۱۳۴۰، تبریز [3] سید علی حسن خان: صبح گلشن (ص ۱۵۰) مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ [4] سید صفدر حسین رضوی المتخلص بہ سہیل: تذکرہ شعرائے ماضی، قلمی، شمارہ ۱۲/H.G.51، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

ولیم بیل نے لکھا ہے کہ خاموش دہلوی نے بنارس میں کچھ وقت کے لیے جوناتھن ڈنکن (Jonathan Duncan) کے ماتحت تحصیلداری کے عہدے پر کام کیا تھا[۱]

دیوان خاموش کا ایک قلمی نسخہ نیشنل میوزیم نئی دہلی میں موجود ہے[۲] جس کے متعلق فہرست میں یہ دیا ہے کہ: "دیوان قصائد، تصنیف منشی صاحب رام صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" مگر اس کو صرف دیوان قصائد کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اسمیں قصائد کے علاوہ مثنویاں اور قطعے بھی ہیں، یہ نسخہ خراب حالت میں ہے، نیز اسکے پہلے صفحہ پر کسی نے باریک خط میں لکھا ہے، جو ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا: "چون فقیر را شوق کتابی خلق بوجہی در فیمابین منشی صاحب رام صاحب ہمراہ صاحب کلان مستر ویکس بہادر دام اقبالہ برای سفر سیر و سیاحت دیہات شریف ... بودند. فقیر را نیز اتفاق معیت صاحب کلان بہادر افتاد ... از منشی ... رام صاحب ... فی الواقع طبیعت حظی داد ... درآن وقت این دیوان تصنیف صاحب بملاحظہ فقیر درآمد- کمال ... گردید- از آنجا در بنارس رسیدہ ... مبلغ پنج روپیہ حق اجرت داد- این دیوان نواب ... از دست خود تحریر نمود"

اس نسخہ کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے: "تمت تمام شد ... کتاب قصائد تصنیف منشی رائے صاحب رام صاحب بتاریخ بیست و پنجم شہر رجب المرجب

Thomas William Beale: An Oriental Biogra-
-phical Dictionary(P.212)NewYork,1965.

۲؎ ص ۲۷ - ۲۲۔

۱۲۳۰ھ ہجری، مطابق ۱۱۹۰ فصلی، در مقام بنارس، مالک این کتاب میر حسین بخش صاحب ... بخط خام بندہ سرنام در حالت پریشانی و افلاس بموجب ارشاد و عنایت میر صاحب قبلہ ... بمقام بنارس تحریر یافت"

اس کے بعد کسی اور نے لکھدیا ہے: "در وقتیکہ فقیر ہمراہ صاحب کلان بہادر دام اقبالہ ... مسٹر کین بہادر ریزیڈنٹ، برائے بندوبست ملکی تشریف فرما شدہ بودند، درآن وقت این کتاب تصنیف رای صاحب قدردان شرفا صاحب رام صاحب بدست آمد، نقل نمود"

ان عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ خاموش بنارس میں بھی رہے تھے۔

خاموش کی زندگی کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے پھر بھی ان کے دیوان کے مطالعہ سے بہت سی جزئیات اور تفصیلات نکالی جاسکتی ہیں۔

انگریزوں کو اچھے اچھے فارسی انشا پردازوں اور منشیوں کی ضرورت پڑتی تھی، منشی صاحب ایک بلند پایہ انشا پرداز تھے، اس لیے انہوں نے حتماً اپنی زندگی کا زیادہ حصہ ان کی ملازمت میں گذارا ہوگا۔ وہ روزی کی تلاش میں دربدر پھرتے رہے؛

ای خدای من از چہ تقصیرم — بردر این و آن فرستادی

نیز انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کہتے ہیں:

تمیز ندارد فلک سفلہ وگرنہ — اینہا بسر مسند و ما برہنہ پایان

وہ اصلاً دہلی کے رہنے والے تھے، جہاں سے دور ہوجانے پر انہیں بڑی تکلیف تھی اور اسے وہ برابر یاد کرتے تھے۔ ایک قصیدہ میں مسلسل اسکی توصیف کی ہے:

خوشا دہلی خوشا باغ و بہارش — وزان خوشتر بتان گلعذارش
خوشا نام خدا خاکی کہ باشد — خجل کحل صفاہان از غبارش
مرا رشکیست در عالم بر آن کو — بدہلی صرف گردد روزگارش
نخواہد رفتن از یادم اگر چہ — فراموشیست از ما یادگارش
ز خود داغی نہادہ بر دل چرخ — بناہای رفیع پایدارش
فرامش می کند حب الوطن را — غریبی گر شود روزی دوچارش
چہ شہری ہوشیاران جہان گرد — نمودہ انتخاب از بر دو بارش
ندارد سبزۂ بیگانہ امنا — وفا روید ز خاک مشکبارش
زمینی رشک یونان مولد من — مرا زان فخر و ازمن افتخارش
روم یک بارہ یارب گرد آن شہر — کنم طوفی کہ گیرم در کنارش
بریدی کو کہ گوید از زبانم — فتد روزی اگر آن سو گذارش
جدا از تست در بنگالہ خامش — نہ دلسوزی نہ غمخواری نہ یارش

خاموش کو دہلی سے دوری بڑی گراں گذری تھی، نیز وہ اپنی غریب الوطنی پر برابر غم والم کا اظہار کرتے تھے :

غریب شہرم و دور از وطن بفصل چمن — بسان گل بگریبان پارہ در بازار
یادم از موطن خویش آمد چون ابر بہار — اشک ریزان بسر خاک غریبان رفتم
یوسفم من کہ چو از موطن خود دور شدم — گہ فتادم بچہ دگاہ بزندان رفتم
می کز عقل دو صد بادیہ دور افتادم — تا من از موطن خود غیرت یونان رفتم

ان کو اپنے ہندی نژاد ہونے پر فخر تھا:

ہر سواد خامۂ من ہست چشم مہر و ماہ — خاک پای ہند تا شد مولد و ماوای من

نیز وہ ذات کے برہمن تھے :

من تو در حرمی یا بدیر برہمنی ؟ — بہر کجا کہ خیال تو در جہان جای

خاموش نے کسی امیر کی تعریف نہیں کی ہے، بلکہ ان کے قصیدے زیادہ تر حمد باری، نعت پیغمبرؐ اور منقبت حضرت علیؓ[1]، امام حسینؓ[2] اور امام رضاؓ[3] میں کہے گئے ہیں :

علی عالی اعلیٰ کہ از ثنای عالیش — شدست طبع گہر بار رشک عمانم
علی عالی اعلیٰ کہ از ان درگہ علم — ہمہ جہل آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم
من نہ غزال کعبہ نہ طاؤس باغ خلد — زان فخر می کنم کہ سگ کوی قنبرم
گویم ز جود ساقی کوثر حکایتی — تا کی سبوی خشک ز دریا بر آمدم
سخن چند در پردہ گویم درودی — بخدام درگاہ حیدر فرستم
عبادت شمارم مدیح تو ورنہ — نہ آنم کہ مدحی بسنجر فرستم
بشویم لب از چشمہ مہر و لوی — بپای سگ کوی قنبر فرستم
تا بکی گردون کشد شمشیر بر فرقم... — از امام حق شہید کربلا جویم پناہ
آن حسین ابن علی ابن ابیطالب کہ ہست — خیرہ از انوار حسنش دیدۂ خورشید و ماہ
آن رخ چون ماہ آغشتہ بخون از تیغ کین — ای سپہر بی مروت روی ناپاک سیاہ
علی موسی کاظم کہ از ایوان درش ؟ — نمودہ پی سیر شوق عرش اعلیٰ را

---

[1] ۵۷۰ - ۶۳۲ عیسوی، [2] ۵۹۹ - ۶۶۱ عیسوی، [3] ۴ - ۶۱ ہجری / ۶۲۶ - ۶۸۱ عیسوی ۱۴۸ - ۲۰۳ ہجری / ۷۶۵ - ۸۱۸ عیسوی

کردہ ام از سر قدم گویا کہ من | بر در شاہ خراسان می روم

خاموش نے اپنی جوانی جن مستیوں میں گذاری تھی اس کا نقشہ انہوں نے اس مثنوی میں کھینچا، نیز مجاز سے حقیقت کی طرف آنے اور پیری کی طرف اشارہ کیا ہے :

چنین یاد دارم کزین پیشتر | مرا بود شور جوانی بسر
دلم با بتی سادہ ای یار شد | رگ گردنم تار زنار شد
کہ ناگہ شبی سیل اشکم کشود | مرا عشق رہ جانب حق نمود
ندانم کجا ہستم و کیستم | چہ می پرسی از من کہ من نیستم
بدستم گل و بر لبم جام بود | چو جان در بر من دل آرام بود
جوان بودم و بود بختم جوان | بجان خواستندم مرا دلبران
غرور جوانی بسر داشتم | نہ از ضعف پیری خبر داشتم
چو شمع بہر محفل جای بود | سخن بر لبم محفل آرای بود
کنونم کہ ایام پیری رسید | تنم ناتوان گشت و مویم سفید

عرفی[1] کے بعد ہندوستان میں کوئی اس سے بڑا قصیدہ گو پیدا نہیں ہوا۔ سب اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ خاموش نے بھی اپنے قصیدوں میں زیادہ تر انہیں کی تقلید کی اور انہیں کی بحروں اور طرحوں میں قصیدے کہے ہیں۔ عرفی کے مشہور قصیدے ہیں :

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را | ای داشتہ در سایۂ ہم تیغ و قلم را

[1] وفات: ۹۹۹ ہجری/ ۹۱-۱۵۹۰ عیسوی۔

جہان بگشتم و دردا بہیچ شہر و دیار | رفتم ای غم در عمر شتابان رفتم

انہیں بحروں اور طرحوں میں خاموش کے قصیدے ہیں :

مستم بہم آمیختہ ام شادی و غم را | مرا دلیست بہ پہلو جدا زیاد و دیار
جواب عرفی شیراز نیست مرکوزم | درین قصیدہ قسم می خورم ہزار
بسکہ از کوی تو با دیدۂ گریان رفتم | عشق او چون اشک از چشم جہان انداختہ

انہوں نے انوری[1] اور خاقانی[2] کے قصیدوں پر بھی قصیدے کہے ہیں خاقانی کے قصیدے ہیں :

شیروان در صبح صادق کعبۂ جان دیدہ اند

ہر صبح سر بگلشن سودا برآورم

صبحدم چو کلہ بند دآہ دودآسای من

اور خاموش کے قصیدے ہیں :

تابدستت عاشقان تیغ سرافشان دیدہ اند

دیگر بیاد ردی تو آرا برآورم

کار با کثرت ندارد خاطر والای من

خاموش ایک رند مشرب انسان تھے اور صلح کل انکا مسلک تھا :

مست می صلح کل از دل آذر پرست | شمع فروزندہ در دیر و حرم داشتن

وہ مذہبی تنگنائیوں سے پرے ایک وسیع المشرب انسان کی طرح زندگی بسر کرتے اور سچے موحد تھے :

[1] وفات: ۵۸۳ ہجری/۱۱۸۷ عیسوی [2] وفات: ۵۹۵ ہجری/۱۱۹۹ عیسوی۔

جدا از کعبہ و بتخانہ معبدی سازم   کہ من نہ کافرم و نی ز اہل ایمانم

باہمہ دین پروری ازی توحید ست   درحرم کبر یار و بصنم داشتن

مذہب و ملت گذار مشرب رندان بگیر   تا بکی این قطرگی قلزم زخار باش

ہرکم و بیشی کہ بت صورت وہم است و بس   شیخ حرم باش یا رند قدح خوار باش

خاموش نے کافی عمر پائی تھی، نیز انہوں نے اپنی پیری کا بار بار ذکر کیا ہے :

در پیری انبساط جوانی ز دل مخواہ   فصل خزانست خرمی بوستاں مخواہ

خود بغر با کہ کنوں پیش کہ رو خواہم یافت   گر روم از در فیض تو من بندۂ پیر

پیری و جوانیم ز کف رفت   شرمندہ ز روی شیخ و شابم

ان کو آخری عمر میں اس کا بھی احساس تھا کہ ان کے تمام ساتھی اس جہانِ فانی سے جا چکے ہیں :

دریغ کس از دوستاران نماند   خزاں در رسید و بہاران نماند

خاموش کو اپنی شاعری اور ہنر پر بڑا فخر تھا، نیز انہوں نے زمانہ، لوگوں اور دشمنوں کی ناقدری کی شکایت کی ہے :

اگر زمانہ ندانست قدر من چہ عجب   کہ قدر اہل ہنر ہست نزد اہل ہنر

کلام خصم بشعرم کجا رسد ہیہات   بآب خضر چہ نسبت لعاب افعی را

وہ اپنے آپ کو ظہیر فاریابی[1] سے کم نہیں سمجھتے تھے :

کلکم از فیض مدیح تو گر انصاف بود   نیست در کشور فاراب سخن کم ز ظہیر

شادم کہ بمن خسرو اقلیم بلاغت   طغرائی از آن کلک گہر بار فرستاد

[1] وفات : ۵۹۸ ہجری/۱۲۰۱ عیسوی۔

مدح من می کنند نا فہمان   در سخن و این زیان من باشد ۔

گفتم از مدح بندہ باز آیند   کین ترحم بجان من باشد

وہ ثروت مند لوگوں کے غرور اور تکبر سے نالاں تھے :

کبر و غرور اینہمہ ای خواجہ از چہ روست   روزی بمن دگر بتو روزی دگر دہد

وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر انہیں خاقانی اور سعدی[1] کی طرح رتبہ اور مرتبہ حاصل کرنا ہے تو انہیں تمام رائج علوم حاصل کرنا ہوگا، نیز سوائے خدا و پیغمبر وغیرہ کے عام انسانوں کی تعریف و توصیف سے احتراز کرنا چاہیے۔ ایک قطعہ میں یوں کہتے ہیں :

از رموز صوفیہ واقف شدن بایدترا   وز فنون فلسفہ خوانی و تفسیر و کلام

غیر توحید خدا و نعت پیغمبر مگو   شعر رابی رتبہ می سازی چہ از بہر حطام

تا چو خاقانی و سعدی نامور گردی بشو   یاد گیر این قطعہ را از خامش معجز کلام

ایک اور قطعہ میں لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :

گوش بحرف دل زارم کنید   ہر چہ کہ دارید نثارم کنید

پیر خرابات جہان بودہ ام   خشت خم از مشت غبارم کنید

گوشہ نشین حرم وحدتم   چند اسیر سہ و چارم کنید

خاموش نے بہت سے قطعے کہے ہیں جن سے تاریخیں نکلتی ہیں، نیز وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ کرانت صاحب کے باغ اور کوئیں کی تعریف میں انہوں نے قطعے کہے تھے، نیز "خلد بریں بر زمیں" اور "فیض سرمد" سے تاریخیں نکالی ہیں۔

[1] وفات : ۶۹۱ یا ۶۹۴ ہجری/۱۲۹۲ یا ۱۲۹۵ عیسوی۔

"سلطان قتلغ" نامی شہزادہ نے انتقال کیا تھا اور غالباً ان کی یاد میں ان کی والدہ "خدیجہ کبریٰ" نے ایک "چشمۂ شاہی" تعمیر کروایا تھا، جس کی تاریخ "زہی بحر فیض یزدانی" سے نکالی گئی ہے۔ خاموش کو سب سے زیادہ صدمہ شیخ علی حزیں[1] کی وفات پر ہوا تھا، جن کی وہ بیحد قدر کرتے اور غالباً قیام بنارس کے زمانہ میں ان سے ملے تھے، اس لیے انہوں نے اس حادثہ پر سات قطعے کہے تھے اور ہر ایک میں تاریخ وفات نکالی گئی تھی :

آنکہ مانندش نخواہد دید باز   چشم گردون شاعر معجز خیال
بود از ہجرت ہمہ از روی عدد   یکہزار و یکصد و ہشتاد سال

شب خمیس ودہم از جمادی الاول

چو رفت شیخ محمد علی حزین ز جہان   کہ بود قبلۂ احرار و قدوۂ ابرار

سحر بگوش من آمد چو در چمن رفتم   گلی ز خار جدا شد ز مرغ خوش منقار
چو آن شمع بزم خرد پروران   ز ما خاکیان گشت خلوت گزین
سروش فلک سال تاریخ او   بگفتا حزیں رفتہ شاد از زمین

ان کے علاوہ انہوں نے کسی "میر محمد حسین" نامی شخص کی بھی تاریخ وفات اس مصرع سے نکالی تھی :

"برفت میر محمد حسین وا ویلا"

غالباً حسب ذیل اشعار خاموش نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کہے تھے :

[1] وفات : ۱۱۸۰ ہجری / ۱۷۶۶ عیسوی.

جب وہ اس دنیا سے جانے والے اور بالکل خالی ہاتھ تھے۔ مگر اس وقت بھی وہ اپنے وطن اور بچپنے کے دوستوں کی یاد سے غافل نہ تھے :

کردی دگر بہاران در باغ روزگاران   مانند سرو با غم قانع بیک قبائی
میثاق وصل من بعد جز روز حشر نبود   ہنگام الوداع است ای دوستان دعائی
زان پیشتر کہ میرم از رنج غربت ای دل   گرد سر تو گردم بر سان مرا بجائی
یارب ز ہمرہاں دور تا چند باشم آخر   بر خاک افتادہ مانند نقش پائی

خاموش نے چھوٹی چھوٹی مثنویوں میں مختصر قصے اور کہانیاں لکھی ہیں جن میں سے کچھ ہندوستان سے متعلق ہیں۔ یہاں ہم صرف ان حکایتوں کے پہلے مصرع نقل کر رہے ہیں :

ستایش کنم ایزد پاک را
شنیدم شہی از شہان جہان
شنیدم شہی از شہان فرنگ
شنیدم ز دانای حکمت شعار
دلم روزی از گردش روزگار
شنیدم کہ بر خاک فرزانہ ای
فلاطون دانا بویرانہ ای
شنیدم کہ شاہی درا قصای روم
شنیدم کہ در عہد نوشیروان
ای چشمۂ نور ایزد پاک

شنیدم کہ ذوالنون مصری ز خواب
شنیدم یکی با حکیمی بگفت
یکی دزد با زاہدی شد دوچار
شبی یاد دارم کہ در محفلی
مراقب نشستم بخلوت شبی
چنین یاد دارم کزین پیشتر
دریغا کس از دوستداران نماند
شنیدم شہی از شہان عجم
یکی راجہ در کشور ہند بود
یکی قلعہ دیدند بر پشت کوہ

خداوندا بحال من کرم کن

فارسی پر دسترس کے علاوہ خاموش عربی سے بھی بخوبی واقف تھے، اسلئے کہ فارسی قصائد وغیرہ میں انہوں نے عربی مصرعے اور شعر بھی دیے ہیں، جیسے کہتے ہیں:

ہرچہ گوئی نغز گو گر کم بگوئی عیب نیست
گفت پیغمبر کہ ماقل ودل خیر الکلام

داد تا سلطان عشقش خلعت وحدت مرا
شرک می دانم کہ گویم لیس فی دلقی سواہ

یا امام الحق لم لا۔ تخشع قلبی الیک
یعلم اللہ کان فی شفقتیک مولانا سفاہ

آخر میں یہاں خاموش کے صرف ایک قصیدہ کے کچھ مسلسل اشعار دیے جاتے ہیں جن سے شاعر کے کمال اور نظریہ کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے:

دارم دلی اسیر بزلف مسلسلش
بیرون ز قید سبحہ و زنار آمدہ

در چشم من بدیر و حرم ہیچ فرق نیست
بوئے مرا ز ہر در و دیوار آمدہ

گہ شیخ پاک دامن و کنج حرم گہی
مست و خراب و رند قدح خوار آمدہ

گہ معتکف بزاویۂ کعبہ و گہی
ساغر بدست بر سر بازار آمدہ

گہ جان دردمند گہی کرد گار پاک
گہ قطرہ گاہ قلزم زخار آمدہ

گہ کج بسر نہادہ کلاہ شہنشہی
گاہی گدای مفلس نادار آمدہ

گاہی شدہ ز سلسلہ این و آن برون
گاہی بقید سبحہ و زنار آمدہ

گہ محتجب چو راز دل پاک قدسیان
منصور سان گہی بسر دار آمدہ

گہ لن ترانی از لب جان بخش آشکار
گہ چون کلیم طالب دیدار آمدہ

القصہ این جہان (تو) یک ذات واحد است
در ظاہر ار چہ مختلف آثار آمدہ

یار ست یار گشتہ بصد رنگ جلوہ گر
گہ یار و گہ بصورت اغیار آمدہ

یار ست یار برہمن و شیخ و پارسا
یار ست یار مست و خبردار آمدہ

کتب خانہ دار المصنفین کا ایک مخطوطہ

روضہ تاج محل

از
ضیاء الدین اصلاحی

دار المصنفین، شبلی اکیڈمی کے ذخیرۂ مخطوطات میں ایک کتاب کا نام "روضہ تاج محل" ہے، گو یہ ناقص الاول والآخر نہیں ہے لیکن اس کا ٹائٹل موجود نہیں اور درمیان میں ص۱۱۱ کے بعد کچھ صفحے غائب ہیں، ص۵۷ تا ص۵۸ کی ترتیب درست نہیں ہے جو غالباً جلدساز کی غلطی ہوگی، مخطوطہ میں مصنف اور کاتب کا نام اور سن تصنیف وکتابت درج نہیں ہے، تاہم یہ مصور اور قدرے خوشخط ہے، صفحات کی تعداد ۱۷۴ ہے، عنوان اور قابل توجہ امور سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، باقی مندرجات سیاہ روشنائی سے لکھے گئے ہیں، ہر صفحہ میں سات سطریں ہیں لیکن پہلے صفحہ میں چار سطریں ہیں جن میں ایک سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لیے مخصوص ہے، جس کے دائیں جانب رَبِّ یَسِّرْ اور بائیں وَلَا تُعَسِّرْ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

کتاب کی کسی اندرونی شہادت سے اس کا کوئی متعین نام معلوم نہیں ہوسکا تاہم اس کے زیادہ حصہ میں روضہ تاج محل کے متعلق معلومات پیش کیے گئے ہیں، اس لحاظ سے

ہم اسے "روضہ تاج محل" یا "احوال تاج محل" وغیرہ کا نام دے سکتے ہیں، یہ نسخہ کئی کتب خانوں میں پایا جاتا ہے اور سب کی فہرستوں میں یہ اور اس سے ملتے جلتے نام درج ہیں۔

مخطوطہ کے دیباچہ یا ابتدائی سطور سے اس کے موضوع اور سبب تالیف کی وضاحت ہوتی ہے، ہم اس کو نمبروار یہاں تحریر کرتے ہیں:

۱۔ یہ بانو بیگم کے حالات کا خلاصہ ہے جن کا لقب ممتاز محل عرف تاج بی بی تھا، یہ شاہجہاں بادشاہ غازی کی بیوی اور وزیر نواب آصف خاں بن نواب اعتماد الدولہ کی دختر تھیں۔

۲۔ اس میں سکندرہ، قلعہ، موتی مسجد، اکبر آباد اور فتح پور سیکری کے احوال دیے گئے ہیں۔

۳۔ روضہ کے کاریگروں اور اس میں استعمال کیے گئے پتھروں کے نام اور کاریگروں کے مشاہرے تحریر کیے گئے ہیں۔

احوال بانو بیگم کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے:

شاہجہاں کے چار فرزند تھے (۱) دارا شکوہ (۲) شاہ شجاع (۳) اورنگ زیب عالمگیر (۴) محمد مراد بخش اور چار دختر بھی تھیں (۱) انجمن آرا بیگم (۲) گیتی آرا بیگم (۳) جہاں آرا بیگم (۴) دہر آرا بیگم۔

موخرالذکر ولادت سے پہلے شکم مادر ہی میں گریہ وآہ کرنے لگیں، اسے سن کر ممتاز محل اپنی زندگی سے مایوس ہوگئیں اور بادشاہ کو اپنے پاس بلا کر نالہ وزاری کے عالم میں اس سے یہ کہنے لگیں کہ:

"فراق وجدائی کا وقت آپہنچا، کیونکہ یہ مشہور ہے کہ جب بچہ ماں کے شکم ہی میں آہ و

شیون کرنے لگے تو ماں زندہ نہیں رہ سکتی، اے شہنشاہ میرا کہا سنا معاف کیجئے اور مجھ سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہوں ان سے درگذر فرمائیے، میں جلد ہی سفر آخرت اختیار کرنے والی ہوں"۔

بادشاہ کو بیگم سے غیر معمولی الفت ومحبت تھی، وہ فراق وجدائی اور غم واندوہ سے پُر یہ باتیں سن کر دفعتاً چیخ اٹھا اور اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

بیگم صاحبہ نے اپنے اس آخری وقت میں مزید یہ فرمایا کہ:

"ہم دونوں قید ومحبوسی وغیرہ کے جس دور سے گذرے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے ختم کرکے اب تمہیں بادشاہی اور دنیا کی فرمانروائی نصیب فرمائی تھی مگر میں حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں، اللہ آپ کے اقبال کو قائم رکھے، میری دو وصیتیں ہیں، مجھے امید ہے کہ انہیں ضرور قبول فرمائیں گے"۔

بادشاہ کے استفسار پر بیگم صاحبہ نے دونوں وصیتوں کی اس طرح وضاحت فرمائی:

"(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار لڑکے اور چار لڑکیاں عطا کی ہیں، یہ نام ونشان باقی رکھنے کے لیے کافی ہیں، آپ کی نسل سے دوسری بیویوں سے جو اولاد پیدا ہو وہ ان سے جنگ وجدال نہ کرے۔

(۲) ہمارے لیے ایک ایسا مکان تعمیر کیجئے جو بے مثال، مفقود النظیر اور عجوبۂ روزگار ہو"

اعلیٰ حضرت نے دونوں وصیتوں کو دل وجان سے قبول فرمایا۔

آگے مصنف لکھتے ہیں:

"جب دہر آرا بیگم تولد ہوئیں اس وقت بیگم صاحبہ نے دار البقا کی جانب رخت سفر باندھا اور جنت الفردوس کی حوروں سے وابستہ ہوگئیں، انتقال کے بعد ان کی نعش

روضہ کے باہر دوسرے چوک کے دروازہ کے پاس کی زمین میں چھ ماہ تک امانتاً سپرد رہی۔"

معماروں اور استادوں نے مقبرے کے نقشے بادشاہ کو پیش کیے، ایک نقشہ بادشاہ کو پسند آیا اور اسی کے مطابق سنگ و جواہرات کا یہ عجائب روزگار روضہ سترہ برس کی مدت میں تعمیر ہوا۔

پھر یہ قطعہ تاریخ درج ہے:

زیں جہاں رفت چو ممتاز محل — درجنت برخش حور کشاد بہر تاریخ

ملایک گفتند جائے ممتاز محل جنت باد

اس کے بعد ان حروف تہجی کے اعداد لکھے ہیں جن سے بیگم صاحبہ کی تاریخ وفات ۱۰۴۰ھ برآمد ہوتی ہے،

پورے مخطوطہ میں ممتاز محل کے اسی قدر حالات ملتے ہیں جن کو ان کی وفات کا حال اور روضہ تاج محل کی تعمیر کا سبب کہا جا سکتا ہے۔

اب موضوع کے دوسرے جز کے متعلق جو کچھ مواد پیش کیا گیا ہے، اس کا لب لباب بیان کیا جاتا ہے:

سکندرہ پہلے سکندرہ کو لیجیے، اس کا ذکر ان عنوانات کے تحت کیا گیا ہے:

۱۔ "ابیات سکندرہ کہ بالائے بام مقبرہ اکبر بادشاہ نوشتہ است" از صفحہ ۴۴ تا ۵۰

اشعار میں پہلے خدا کی حمد کا ذکر ہے، جس کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اسی نے بادشاہوں کو تخت و تاج عطا کیا ہے جن کے عدل و انصاف سے دنیا چمک اٹھتی ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کہ از عدل ایشاں شود روزگار — شگفتہ تر از باغ در نوبہار

زہے داورے را چو گیرند پیش — شناسند بیگانہ را ہمچو خویش

شہ گو چنیں زیست در روزگار — بود سایہ ذات پروردگار

پھر اکبر بادشاہ کے تخت نشین ہونے کا سن، اس کے عدل و انصاف اور دنیا سے اٹھ جانے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری وغیرہ کا ذکر ہے:

جہاں اے برادر نماند بکس — دل اندر جہاں آفریں بند و بس

۲۔ "ابیات کہ اندرون دروازہ سکندرہ گرداگرد بہ گنبد روضہ منورہ نوشتہ است" از صفحہ ۵۰ تا ۵۹

اس حصہ میں بھی دنیا کے انقلاب اور اکبر کے ظل الٰہی ہونے وغیرہ کا ذکر ہے۔

۳۔ "ابیات بر پیشانی روضہ سکندرہ بطرف شمال نوشتہ است"

نظم قطعہ بند نوشتہ

یہ صرف دو شعر ہیں ملاحظہ ہوں:

طاقیکہ از رواق نہم چرخ برتر است — روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است

ایں طاق زیب نہ فلک و ہفت کشور است — در روضہ منورہ شاہ اکبر است

اس سے معلوم ہوا کہ روضہ سکندرہ کے حالات صرف اسی قدر دیے ہیں کہ اسکے اندر اور باہر کی مختلف سمتوں میں جو اشعار درج ہیں ان کو نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قلعہ کا ذکر حسب ذیل دو عنوان کے تحت خاص طور پر کیا ہے:

۱۔ "تواریخ دیوان خاص کہ در قلعہ اکبرآباد است" ص۱۰۶ ۲۔ "دیگر ابتدائی تیاری قلعہ کہنہ آگرہ کہ از قدیم ہندوستان است" ص۱۱۶

پہلے عنوان کے تحت ۴ صفحوں میں اشعار درج ہیں جن کے آخر میں ۱۰۴۰ھ درج ہے، دوسری تحریر میں قلعۂ قدیم کی از سر نو تعمیر، مدت و مصارف تعمیر، اس کے جائے وقوع اور

اس کے گرد کی آبادی وغیرہ کا حال تحریر کیا ہے۔

موتی مسجد | موتی مسجد کا ذکر حسب ذیل عنوان کے تحت ہے:

"کتابہ و تاریخ موتی مسجد کہ در قلعہ مستقر الخلافہ اکبرآباد است نوشتہ است" از ص ۷ تا ۹"

اس میں مسجد کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اسے کعبۂ نورانی و بیت المعمورۂ ثانی اور لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى کہا گیا ہے نیز اس کی صفائی، خوبصورتی، دلکشی اور دلآویزی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سنہ ۱۰۶۳ھ میں شاہجہاں کے چھبیسویں [۲۶] سال جلوس کے آخری حصہ سنہ ۱۰۶۳ھ میں سات برس کی مدت میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور تین لکھ (۳ لکھ) اس کی تعمیر میں خرچ ہوئے، آخر میں بادشاہ کی دعا پر یہ تحریر ختم ہو جاتی ہے۔

آگرہ اور فتح پور سیکری کے حالات | ضلع آگرہ کی آب و ہوا کے متعلق حکمائے ہند کے تجربہ و دریافت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں کے جوانوں کا مزاج طبیعت سودائی ہوتا ہے اور سودائی مزاج والوں کے لیے یہ علاقہ جنت کی طرح ہے، اس کی آب و ہوا میں ہاتھی، گھوڑے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کی خوب نشوونما ہوتی ہے، پھر لکھا ہے کہ مغلوں سے پہلے یہاں افغان تھے اور آگرہ میں ایک قلعہ بھی تھا جس کا ذکر محمود مسعود سلیمان کے اس مدحیہ قصیدے میں بھی ہے جو ابراہیم بن سلطان محمود سلطان غزنوی کے لڑکے محمود کی قلعہ کی فتح کے سلسلہ میں کہا گیا ہے، سکندر لودی نے گوالیار کی فتح کا ارادہ کیا تو پایۂ تخت کو دہلی سے آگرہ لایا اور یہیں اپنا مستقر بنایا، اسی زمانہ سے اس کی آبادی میں اضافہ ہوا اور اس کی ترقی شروع ہوئی۔ اس کے بعد سکندر لودی کے بیٹے ابراہیم کو بابر نے شکست دے کر جمنا کے کنارے چار باغ لگایا، اس باغ کی خوبصورتی کا حال

مصنف کے لفظوں میں یہ تھا کہ:

"در جہاں کمتر جائے بآں لطافت باغے بودہ باشد نام آں گل افشاں احداث فرمودہ"

آخر میں لکھا ہے کہ باغ کے ہر طرف عمارتیں اور ایک مسجد تعمیر کرانے کا بھی بابر کو خیال ہوا تھا، مگر اس کی عمر نے وفا نہ کیا۔

دوسری جگہ ہے کہ آگرہ کی آب و ہوا گرم و خشک ہوتی ہے اور بلغمی و بادی مزاج رکھنے والے دونوں طرح کے لوگوں کے لیے ناسازگار نہیں ہوتی (ص ۱۲۰ و ۱۲۱)

فتح پور سیکری کا تذکرہ اس عنوان کے تحت کیا گیا ہے:

"رفتن جلال الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ بخواہش اولاد بجناب خواجہ معین الدین چشتی" (ص۸)

اس عنوان کے تحت جو کچھ درج ہے وہ تزک جہانگیری سے ماخوذ ہے مگر حوالہ نہیں دیا ہے، اس میں شیخ سلیم چشتی کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ بکثرت جگہوں کی سیاحت کرتے ہوئے آگرہ پہنچے اور موضع سیکری کے ایک پہاڑ میں رہنے لگے، آگے چل کر لکھتے ہیں:

"میرے والد محترم نے اس جگہ کو جو میرا مولد تھی اپنا پایۂ تخت بنایا اور اس پہاڑ کو جو وحشی جانوروں اور پرندوں کا مسکن تھا چودہ، پندرہ برس کی مدت میں طرح طرح کی عمارتوں، باغوں، پاکیزہ گھروں اور دلکش جگہوں سے آباد اور پُررونق کر دیا، گجرات کی فتح کے بعد یہ موضع فتحپور کے نام سے موسوم ہوا۔" ص۹

تاج محل کے کاریگر | روضہ تاج محل کے کاریگروں، ان کے مشاہروں اور تاج محل میں استعمال ہونے والے پتھروں کے بارے میں مصنف نے جو کچھ تحریر کیا ہے ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، کاریگروں اور ان کے مشاہروں کا اندازہ اس نقشہ سے ہوگا۔

نام کاریگر	مشاہرہ	منصب	وطن	کیفیت
استاد عیسیٰ	ایک ہزار	نقشہ نویس	روم	نادر العصر
امانت خاں	"	طغرا نویس	شیراز	
محمد حنیف	۵۰۰	کارفرمائے معماراں	اکبرآباد	
اسماعیل خاں	۵۰۰	گنبد ساز	روم	
محمد خاں	"	خوش نویس	"	
موہن لعل	"	پچیکار	"	
منوہر سنگھ	"	ـــــــ	لاہور	
منون لعل	"	ـــــــ	"	
کاظم خاں	۲۰۰	کلس ساز	"	

پتھروں اور جواہرات کا ذکر روضہ تاج محل کے پتھروں کا تذکرہ کرتے ہوئے مندرجۂ ذیل امور کی تفصیل بیان کی گئی ہے :

پتھروں کے نام۔ وہ کس جگہ سے آئے اور کتنی تعداد میں آئے اور کس حساب و پیمائش سے وہ تاج میں نصب کیے گئے اور ہر ایک کی تعداد کیا ہے ؟

مخطوطہ کے بعض اور مشمولات مخطوطہ کے دیباچہ میں جن امور کی نشاندہی کی گئی تھی سطور بالا میں اس کا مختصر جائزہ پیش کیا جا چکا ہے تاہم ابھی بعض مندرجات کا ذکر نہیں ہو سکا ہے، اس لیے ہم ان کے عنوانات نقل کر کے ان کے تحت درج باتوں کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔

۱۔ **کتبات** پہلے بعض کتبات کا ذکر آ چکا ہے، مزید کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

"سمت دویم پائین تعویز جنوب رویہ" ص۵ اس عنوان کے تحت یہ لکھا ہے

"مرقد منور ارجمند" بانو بیگم مخاطب ممتاز محل توفیت فی سنہ ۱۰۴۰ھ ہجری" (ص۵)

اسی صفحہ کے آخر میں یہ عنوان بھی ہے :

"بر تربت شاہجہاں بادشاہ غازی اندرون تہہ خانہ اول جنوب رویہ سمت پائیں تعویذ مرقد منورہ خلد"۔

اس کے تحت شاہجہاں کا نام معہ جملہ القاب لکھ کر یہ تحریر کیا ہے کہ یہ اس کا مرقد منور اور مضجع مطہر ہے اللہ اسے جنت نصیب فرمائے، پھر یہ تاریخ وفات لکھی ہے :

۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۰۷۶ھ ہجری بوقت شب ص ۵۹ / ۵۸

۳۔ ایک اور عنوان ہے جس کا فتح پور سیکری کے سلسلہ میں ذکر آ چکا ہے یعنی :

"رفتن جلال الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ بخواہش اولاد بجناب خواجہ معین الدین چشتی"

پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ تحریر تزک جہانگیری سے حوالہ کی صراحت کے بغیر نقل کی گئی ہے، اس میں جہانگیر نے اپنے والد اکبر بادشاہ کے اولاد کی طلب میں خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر جانے کا حال تحریر کیا ہے اور اپنی ولادت، نام و القاب وغیرہ کی تفصیل قلم بند کی ہے۔

۴۔ ایک عنوان ہے :

"حساب پیمائش روضہ معہ مسجد و جماعت خانہ وغیرہ جناب کرنیل ٹیلر صاحب بہادر نمودہ شد" (ص ۸۶ تا ۱۰۸)

اس عنوان کے تحت روضہ تاج محل اور اس کے سلسلہ کی تمام عمارتوں کے اخراجات کی تفصیل دی گئی ہے، بعض اجزا اور الگ الگ حصوں کی تعمیر میں جس قدر

خرچ ہوا اس کی تفصیل بھی ہے، روضہ کی تعمیر میں خزانچی لالہ رودر داس کے ذریعہ خزانہ شاہی کے دفتر سے جس قدر خرچ ہوا ہے اور نوکروں کی تنخواہ میں خزانہ عامرہ کے علاوہ پورے صوبہ اکبرآباد سے جو مصارف ادا کیے گئے ہیں انہیں علحدہ علحدہ درج کیا ہے۔

مخطوطہ کا آخری عنوان بھی اسی سے ملتا جلتا ہے جو یہ ہے:

"صرف عمارات روضہ ممتاز محل برائے تیاری" (ص ۱۴۸ تا ۱۶۴)

مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ دونوں یکساں ہیں اور دونوں کے آخر میں "تمام شد" بھی لکھا ہوا ہے، دونوں حصوں میں بہت کم اور معمولی جزوی فرق ہے اس لیے اس کو مکرر کہا جا سکتا ہے، البتہ پہلے عنوان کا آخری حصہ "جناب کرنیل ٹیلر صاحب بہادر نمودہ شد" دوسری جگہ نہیں درج ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حصہ کرنیل ٹیلر صاحب بہادر کے توسط سے دستیاب ہوا ہے اور دوسرا حصہ کسی اور ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے، اس سلسلہ کا ایک اور عنوان ہے:

"حساب پیمائش حقیقت چہرہ روضہ مطہرہ" (ص ۱۳۶ تا ۱۴۵)

اس میں روضہ سے متعلق اشیا، کٹہروں، چبوتروں اور کرسی وغیرہ کی پیمائش طول وعرض کے لحاظ سے کی گئی ہے، البتہ شروع میں پیمائش کے سلسلہ میں درعہ کا ذکر ملتا ہے جو اس زمانہ کا پیمانہ تھا، مگر یہاں درعہ کے ساتھ اس کے مساوی فٹ اور انچ کے پیمانے بھی دیے گئے ہیں، مزید برآں یہاں بیگہ کا ذکر بھی ہے، اس سلسلہ کے بعد آخر میں فواروں اور حوضوں کی تعداد لکھی ہے (ص ۱۴۶ و ۱۴۷) اس کے بعد روضہ ممتاز محل جمیع مکانات و باغ روضہ معہ دروازہ کلاں وغیرہ کی تیاری و تعمیر کی مدت

۱؎ اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ انگریزی عہد میں مرتب ہوا ہے۔

۱۶ سال ۶ ماہ ۲۱ یوم لکھی ہے۔

ایک عنوان ہے: "طغرا بر دروازہ کلاں ممتاز محل اول بطرف بیرون نوشتہ است اول بطرف جنوب نوشتہ است" (ص ۱۰۸ و ۱۰۹)

اس میں مختلف سمتوں اور جہتوں میں قرآن پاک کی جو آیتیں لکھی ہوئی ہیں ان کی تفصیل درج ہے مگر مخطوطہ کا یہی حصہ ناتمام ہے۔

ایک جگہ اورنگزیب کی دختر زیب النساء کے متفرق اشعار اس عنوان کے تحت نقل کیے ہیں:

"جلال الدین اشعارات متفرقات زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ غازی" (ص ۱۲۱ تا ۱۲۲)

یہاں عبارت واضح نہ ہونے کی وجہ سے جلال الدین کا مطلب واضح نہیں ہو سکا۔ ممکن ہے یہ ان کے جمع یا کتابت کردہ اشعار ہوں، لطف یہ ہے کہ اس میں فارسی کے ساتھ مندرجہ ذیل چار اردو اشعار بھی ہیں:

سحر سے آ گل رنگ بلبل سے فغاں نکلا — چمن سے جمع ہو حسرت زدوں کا کارواں نکلا

سحر رکھ تیغ کاندھے پر جو وہ دامن کشاں نکلا — لب ہر زخم سے اس وقت سوالاں نکلا

ہے طرفہ ماجرا میری قاتل کے روبرو — بسمل اوڑا رہا ہے بسمل کے روبرو

آخری شعر بھی اردو ہی کا ہے جو یہ ہے:

سر کو زانو پر جھکائے اس لیے بیٹھے ہیں ہم — کھو چکے ہیں چاند سی تصویر اپنے ہاتھ سے

مگر اردو اور فارسی اشعار کے نقل میں غلطیاں ہیں

ایک اور عنوان ہے:

"نمودن سلطنت در ملک ہندوستان مغلیہ حفظہ قوم امیر تیمور در ولایت دفات" ص ۱۲۹

عبارت واضح نہیں ہے۔

اس میں تیموری امراء و سلاطین کی ولادت، وفات، مدت حیات، مقام تولد اور مدت حکومت وغیرہ کا ذکر کیا ہے، مگر ہر فرمانروا کے بارے میں یہ سب معلومات نہیں دیے گئے ہیں، ایک مثال یہ ہے :

"ولایت صاحبقران ولادت باسعادت درخطہ کشمیر ۸ر شعبان ۱۰۳۶ھ در وفات سفر سلطنت کہ لغو سال ۱۱ ماہ ۲۲ یوم (ص ۱۳۰)

مخطوطہ کی دو تحریریں | ذیل میں اس مخطوطہ کی دو اور تحریروں کا ذکر کیا جاتا ہے :

پہلی تحریر : "در دور اکبر بادشاہ الفقیر سلطان محمد ابن عبدالغفور دہلوی ۱۰۳۸ شعر :

فتح دکن کرد بلطف الہ   شاہ جہانگیر ابن اکبر شاہ ص ۵۶

دوسری تحریر : "نوشتہ بود بر توپ کلاں" کے زیر عنوان حسب ذیل ہے :

"ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی ۱۰۸۵ھ ہجرے کل سی و پنج آثار غل متعمر ادا اس ابن را مجمل اسیر قلعہ لو برتری ۱۰۸۰ جلوس عالمگیر ص ۵۶

دونوں تحریریں اہم ہیں مگر یہ جس جگہ نقل ہوئی ہیں وہاں بے جوڑ ہیں، علاوہ ازیں نقل کی غلطی سے انکا مطلب واضح نہیں ہے۔

نقشے | مخطوطہ کی ایک خاص چیز اس کے نقشے ہیں جو تعداد میں ۷ ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نقشہ کلاں دروازہ ص ۱۲ (۲) نقشہ قلعہ اکبر آباد ص ۴۷ و ۴۸ (۳) نقشہ موتی مسجد ص ۲۳ (۴) نقشہ دروازہ سکندرہ ص ۹۴ (۵) نقشہ خاص سکندرہ ص ۹۵ (۶) نقشہ درگاہ نتھپوری ص ۱۱۱ (۷) نقشہ خاص مقبرہ یعنی تعویذ مرقد شاہجہاں و تاج بی بے ص ۱۳۶۔

نقشے سب رنگین ہیں ص ۱۳۳ پر نقشہ اعتماد الدولہ کا عنوان دیا ہے مگر نقشہ کی جگہ

سادہ رہ گئی ہے۔

آیات قرآنی اور اشعار | کتاب میں جا بجا اشعار بھی درج ہیں اور اکثر کتبے تو اشعار ہی پر مشتمل ہیں، کہیں کہیں آیتیں بھی درج ہیں، عربی نقرے اور جملے عربی رسم الخط میں دیے ہیں۔ ایک جگہ ملکہ شاہجہاں کی وفات کے ضمن میں کلمہ حسرت و افسوس فآھا ثم آھا کو آیت نص لکھ دیا ہے۔

املا | املا میں یکسانیت نہیں ہے مثلاً ہائے مدورہ کو کہیں کہیں دو چشمی سے لکھا ہے جیسے :

اھلیہ، شاھجہاں، دھر آرا، نزھت، ھر، ھجری وغیرہ۔

اور کہیں کہیں اس کے برخلاف بھی ہے مثلاً جہار، ہجری، شہاب الدین، شاہجہاں

چھوٹی یا کو بڑی یا سے اور اس کے برعکس بھی لکھا ہے مثلاً ھجری، زہے تاج بی بے اور ردی پیمایش وغیرہ کو دونوں طرح سے لکھا ہے مگر سنگہا ی کو (چھوٹی ی) سے لکھا ہے۔

دہر آرا، گیتی آرا، انجمن آرا، جہاں آرا وغیرہ کے آخر میں الف کے بجائے یا لکھی ہے ان لفظوں اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ افریں، اصف خاں، جہاں ارا وغیرہ میں الف پر مد نہیں بنایا ہے۔

اکبر آباد کو کبھی کاف فارسی سے اور کبھی کاف ہندی سے لکھا ہے، اکبر کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا ہے اور دیگر کو ایک جگہ دیکر لکھا ہے۔

بیگم صاحب، شاہجہاں، عالمگیر اور سنگہائے وغیرہ کو کہیں ملا کر اور کہیں الگ لکھا ہے، ایک جگہ مقدس جناب کو بھی ملا کر لکھا ہے یعنی س اور ج ملی ہوئی ہے۔

لال کا املا الف کے بجائے ع سے لکھا ہے، مثلاً منوہر لعل، موہن لعل، استاد میں الف اور س کے درمیان واو موجود ہے۔

یکے، دویم، سویم، چہارم کو حرفوں سے لکھ کر ان کے اوپر گنتیاں بھی لکھی ہیں۔

بعض حرفوں کے شوشے اچھی طرح ظاہر نہیں جیسے عنبر میں ن اور ب کے اور بعض جگہ بلاضرورت شوشے ہیں، مثلاً اتفاق میں تعویذ کو ہر جگہ زے اور ملازم اور ملازمت کو ذے لکھا ہے، دکھن میں ہائے ہوز ک کے پہلے لکھی ہے، مشاہرہ کو یاسے مشایرہ لکھا ہے۔ کتابت کے اغلاط ان کے علاوہ ہیں۔

تبصرہ | مخطوط کا مفصل جائزہ پیش کیا جا چکا ہے، اس میں اس کے مندرجات و مشمولات کا پورا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ مخطوطہ معمولی فرق و تغیر کے ساتھ مختلف کتب خانوں میں موجود ہے، اس میں بیان کی گئی باتیں بلاسند و ثبوت ہیں، اس لیے نہ یہ زیادہ اہم اور قدیم العہد ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ اسے مستند و موثق ہی کہا جا سکتا ہے، اس کی مزید نوعیت و حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے دو مستند مبصرین کے تبصرے پیش کر دینا کافی ہوگا۔

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے مشہور محققانہ مقالہ "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" میں لکھتے ہیں:

"تاج محل کے حالات میں بعد انگریزی آگرہ میں ایک فارسی رسالہ خدا جانے کس نے لکھا ہے، اس کے قلمی نسخے عموماً ملتے ہیں، اس میں حالات کے ساتھ ساتھ عمارات کی تصویریں بھی ہیں، شروع میں ممتاز محل کی وفات کی افسانہ نما کیفیت لکھی گئی ہے اور پھر اس میں تاج محل کی تعمیر کا ایک ایک خرچ اور اس کے ایک ایک پتھر کی قیمت اور اس کے ایک ایک کاریگر کے نام مع تعین تنخواہ لکھے ہیں جو زیادہ تر سنی سنائی حکایتوں اور فرضی اعداد پر مشتمل معلوم ہوتا ہے، اس رسالہ میں کاریگروں میں سب سے پہلا

نام استاد عیسیٰ نادر العصر نقشہ نویس ساکن روم لکھا ہے اس کتاب کے مختلف نسخے دیکھے اور سب میں ناموں کا کچھ نہ کچھ اختلاف پایا اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس میں ہندو کاریگروں تک کو ساکن روم و بلخ و قندھار و سمرقند لکھا ہے، جامعہ علی گڑھ حیدرآباد، بھوپال، ندوہ اور دارالمصنفین کے کتب خانوں کے نسخوں میں اور ان کے علاوہ اور بھی اس کے جو نسخے نظر سے گذرے ان میں بھی یہ شتر گربگی موجود ہے۔

" استاد نادر العصر تک تو نام صحیح ہے جو اسی احمد معمار کا شاہی لقب تھا، مگر اس میں عیسیٰ نقشہ نویس ساکن روم کا نام اضافہ ہے یا یہ کہ استاد نادر العصر اور عیسیٰ ساکن روم دو نام ہیں جو ایک میں مل گئے ہیں۔ اس کتاب تاج میں امانت خاں شیرازی کے سوا جس کا ذکر تاریخوں اور تذکروں کے علاوہ خود تاج کے کتبوں میں ہے، جن کاریگروں کی فہرست دی گئی ہے اور جو تنخواہیں لکھی گئی ہیں وہ تمامتر محتاج ثبوت ہیں، لیکن تعجب ہے کہ تاج کے مورخین نے ان کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا ہے۔" (مقالات سلیمان ج ۱ ص ۲۹۸)

تاج کے محققین و ماہرین میں عبداللہ چغتائی کا نام محتاج تعارف نہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں:

عیسیٰ کو تاج کا نقشہ تیار کرنے والا جس مخطوط کی بنیاد پر کہا جاتا ہے، وہ انیسویں صدی عیسوی (۱۸۲۵-۳۰ء) میں آگرہ میں تیار ہوا، دوسرے مخطوطے اس کے بعد کے ہیں، یہ مخطوط محققین کے لیے گمراہی کا باعث ہوا اس کی وجہ سے زیادہ تر اصلی مسودات سے غفلت رہی، ان کی زیادتی صاحب بصیرت کے لیے ایک معما ہے کہ کون سا مقدم ہے یا موخر ہے اور کون سا اصح ہے اور کون سا حصہ قابلِ اعتبار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مصنف کون ہے؟

... ان مخطوطات میں تاج کی پیمائش اور مصارف کا حصہ قدرے توجہ کا محتاج ہے...
بعض میں قدیم شاہجہانی پیمانے بھی ذرع۔ بسوہ۔ تسو وغیرہ کی صورت میں ملتے ہیں، ممکن ہے عمارت کے

تیار ہونے پر ایک یادداشت ضرور تیار کر لی گئی تھی، تاکہ سرکاری دفاتر میں محفوظ رہے اور اس طرح مصارف کو مقامی دفتر سے نقل کر لیا ہو۔

اکثر مخطوطوں کی طویل فہرست "اسمائے سنگہائے" میں پتھروں کے اوزان یا مقدار اور مقامات کے اسماء بھی دیے ہیں، جہاں سے آئے، مگر یہ فہرستیں کچھ ناقابل اعتماد نظر آتی ہیں، شک اس لیے بھی ہے کہ مخطوط کا کاغذ خالص انگریزی ساخت کا ہے، پیمائش انگریزی گزوں، فٹوں، انچوں میں ہے، بعض غیر مسلم کاریگروں کو کابل، قندھار، سمرقند، روم اور بلخ کا باشندہ ظاہر کیا ہے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطے محض بطور گائڈ برائے زائرین آگرہ میں تیار کیے گئے تھے بعد میں وہاں کے مجاوروں وغیرہ نے ان کو ایک ذریعہ تجارت بنا لیا اور لکھوا کر فروخت کرتے رہے جو تمام جگہ پھیل گئے ... رامپور کے مخطوطہ کے آخری الفاظ واقعی اس میں مجاوروں کے ہاتھ ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں: "تمت تمام شد من تصنیف سید حسن زماں داروغہ روضہ منورہ و نور افشاں بقلم بندہ حقیر بہار علی ساکن تاج گنج کٹرہ پھولیل" اور اس نسخہ کا کاتب بہار علی وہی ہے جس نے نسخہ کتبخانہ آصفیہ ... لکھا ہے، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"ہفتم ماہ دسمبر روز پنجشنبہ ۱۸۶۶ء عیسوی بقلم حقیر بہار ساکن تاج گنج کٹرہ پھلیل"۔

چغتائی صاحب آخر میں لکھتے ہیں:

"تاج کے متعلق جس قدر بھی مخطوطات ملتے ہیں، جن کو میں نے یہاں بیان کر دیا ہے، بالکل بے بنیاد ہیں اور معاصر کتب کا صحیح طور پر مطالعہ کرنے کے لیے سد باب ہیں" (۱) عبداللہ چغتائی: یادداشت عمارت روضہ تاج محل، آگرہ، صفحات ۱ تا ۲۔

معارف کی ڈاک

مکتوب دہلی

دہلی

۱۳؍اگست ۱۹۹۵ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے دارالمصنفین میں سب خیریت ہو، یعنی آپ سب لوگ بعافیت ہوں۔

جولائی کے معارف میں شذرات پڑھ کر طبیعت خوش ہوئی، آپ نے بروقت لکھا، مناسب انداز میں لکھا، شبلیؒ نے علم و ادب کی راہوں پر جو نقوش چھوڑے ہیں، ان کی بنیادی و دائمی حیثیت ہے اور انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا، ان میں خالص ارضیت نہیں ہے ورائے ارضیت بھی بہت کچھ ہے اور یہی بہت کچھ دائمی ہے۔ ذاکر حسین ندوی صاحب کے مضمون کی اڈیٹنگ اچھی نہیں ہوئی ہے، اس پر معارف کا نوٹ بھی ہونا چاہیے تھا کمپیوٹر کیسا چل رہا ہے اور ایک دن میں کے صفحے کا اوسط ہے، لکھیے گا۔

والسلام

مخلص ضیاء الحسن فاروقی

مکتوب چمپارن

کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج، مغربی چمپارن۔

۱۶؍اگست ۱۹۹۵ء

مخدومی! زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ دار المصنفین میں کمپیوٹر کتابت کا نظم ہوگیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ اور شبلی اکیڈمی کے اراکین قابل مبارکباد ہیں، انشاء اللہ یہ نظام باعث خیر و برکت ثابت ہوگا اور اب دار المصنفین کی کتابوں اور ماہنامہ "معارف" کی کتابت و طباعت پہلے سے عمدہ پیمانہ پر ہوگی۔ اس ہوش ربا گرانی میں کمپیوٹر اخراجات کے پیش نظر معارف کے زر سالانہ میں بیس روپے کا اضافہ کوئی زیادہ نہیں ہے۔

معارف جولائی ۹۵ء کے شذرات میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے نکتہ چینوں کے رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے کوئی بھی صحت مند انداز فکر رکھنے والا اختلاف نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں نابغہ روزگار علمی شخصیتوں میں علامہ شبلیؒ سے زیادہ مظلوم کوئی شخصیت نہیں۔ علم و ادب کا یہ بہت بڑا سانحہ ہے کہ علامہؒ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کئی جانب سے حملہ کیا گیا۔ ایک طبقہ نے علامہ شبلیؒ پر آزاد خیال ہونے کا فتوی صادر کیا، بعض حاسدوں نے علامہؒ کے علمی و ادبی اور تحقیقی کارناموں کو نیچا ثابت کرنے کا حربہ استعمال کیا اور کچھ شرپسند عناصر نے علامہؒ کے اخلاق و کردار پر چھینٹے ڈالنے کی سعی ناکام کی لیکن مخالفت کا ہر وار اوچھا ثابت ہوا اور بحمد اللہ علامہؒ کی باغ و بہار اور باوقار شخصیت کی شہرت و مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ علامہؒ کے دینی و علمی، تنقیدی و ادبی اور تحقیقی کارناموں کے نقوش دنیا کے جریدۂ تصنیف و تالیف پر اس طرح مرتسم ہو چکے ہیں کہ مٹائے نہیں جا سکتے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام او

معارف کے مذکورہ شمارہ میں جناب تاج پیامی صاحب کا مقالہ "اقبال کی ایک

غزل کا تشریحی تجزیہ" پسند آیا، لیکن اس شعر:

محمد بھی ترا، جبریل بھی قرآن بھی تیرا مگر "یہ حرف شیریں" ترجماں تیرا ہے یا میرا

کی تشریح میں ژولیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ تاج پیامی صاحب لکھتے ہیں:

"پہلا مصرع صاف ہے۔ دوسرے مصرع میں لفظ 'یہ' کے بارے میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قرآن کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کے ساتھ محمدؐ اور کسی حد تک جبریل بھی خدا کے ترجمان ہیں اس لیے "یہ" کا لفظ قرآن کے لیے نہیں آیا ہے"۔

اس کے بعد "حرف شیریں" اور "شیریں ترجمان" کی ترکیب پر اظہار خیال کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:

"اگر" یہ حرف" کو شیریں ترجمان مان لیا جائے تو غلط ہوگا کیونکہ کوئی حرف یا کلام، قرآن کے مقابلہ میں شیریں ترجمان نہیں ہو سکتا اس لیے "یہ حرف شیریں" کی ترکیب درست ہے۔ اقبال نے "یہ" کا لفظ اپنی شاعری کے لیے استعمال کیا ہے جسے وہ "حرف شیریں" کہتے ہیں"۔

غور فرمایا جائے اگر "یہ حرف" سے کچھ لوگوں کی مراد قرآن پاک ہے تو پھر قرآن پاک کے شیریں ترجمان ہونے میں کیا اعتراض ہے؛ نیز جب قرآن کے مقابلہ میں کوئی حرف یا کلام "شیریں ترجمان" نہیں ہو سکتا تو پھر اقبال کا کلام "شیریں ترجمان" کیسے ہو سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بلاشبہ لفظ "یہ" کا مشار الیہ "حرف شیریں" ہے اور لفظ "شیریں" لفظ "حرف" کی صنعت ہے، لیکن "حرف شیریں" سے کلام اقبال مراد لینا بھی صحیح ہے اور قرآن پاک بھی۔ کیونکہ شعر مذکور کے دوسرے مصرع میں لفظ "مگر" استدراک کے لیے ہے اور استدراکی جملوں میں بیان ثانی کو بیان اول سے ہمیشہ الگ اور

خارج ہی نہیں کیا جاتا بلکہ کبھی بیان ثانی کو بیان اول کے معنی میں توسیع کے لیے بھی لایا جاتا ہے (جیسا کہ مولوی عبدالحق بابائے اردو نے اپنی کتاب "قواعد اردو"[1] میں تحریر فرمایا ہے) اس لیے شعر مذکور میں اگر اول مصرع سے ثانی مصرع کے بیان کو الگ کرنا مقصود ہو تو "حرف شیریں" سے اقبال کی مراد ان کا اپنا کلام ہوگا۔ اس صورت میں پروفیسر مولانا ضیاء احمد بدایونی مرحوم کے الفاظ میں شعر کا مطلب یہ ہوگا:۔

"(اے اللہ) بے شک رسول پاک، جبرئیل اور قرآن تیرے ہیں مگر میری گفتار شیریں بھی تو تیری ہی ترجمانی کر رہی ہے، یعنی تیری ہی بھیجی ہوئی کتاب کے اسرار میں نے تیرے بندوں پر فاش کیے ہیں، یہ جواہر دراصل تیرے خزانۂ الہام کا عطیہ ہیں۔ ان کا سرچشمہ میری ہوائے نفس نہیں بلکہ تیری عطائے غیبی ہے۔" (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند شمارہ جون ۱۹۷۶ء ص ۳۱)

اور اگر استدراک سے مصرع اول کے معنی میں توسیع مراد ہو تو "حرف شیریں" سے قرآن پاک مراد لینا درست ہوگا۔ اس صورت میں شعر کا مفہوم یہ ہوگا:۔

"یہ قرآن لاریب تیرا ہی کلام ہے مگر درحقیقت یہ میرا ترجمان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کی تعلیم اصل میں میری اندرونی فطرت کے تقاضوں کا RESPONSE ہے (ایضاً: ص ۳۱)

والسلام

محتاج دعا: وارث ریاضی۔

مکتوب ردولی

ردولی شریف

۲۱ جولائی ۱۹۹۵ء

---

[1] قواعد اردو، ص ۲۹۰، ۳۱۹۔

برادر گرامی! سلام مسنون

دارالمصنفین میں کمپیوٹر کتابت کا نظام قائم ہونے کی خبر پڑھکر دلی مسرت ہوئی، میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے، خدا کرے یہ ادارہ جس کی آبیاری علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے خون دل سے کی ہمیشہ قائم رہے، اور دینی، علمی اور ملی خدمات انجام دیتا رہے۔

جولائی کے معارف کا کیا کہنا، تمام مشمولات خوب سے خوب تر ہیں لیکن گجرات کی مرکزیت واہمیت اور حضرت پیر محمد شاہ اور اقبال کی ایک غزل کا تشریحی جائزہ کا جواب نہیں، تلمیحات واشارات خواجہ حافظ شیرازی بھی خاصے کی چیز ہے، حافظ کا یہ شعر جس کا صاحب مضمون نے حوالہ دیا ہے، مزہ دے گیا:

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ من ست ‏ ‏ ‏ ‏ دعای پیر مغاں ورد صبحگاہ من ست

اسی شمارہ کے شذرات کے کالم میں آپ نے یہ بالکل درست لکھا ہے کہ بعض حضرات محض نام ونمود اور سستی شہرت کی خاطر علامہ شبلیؒ جیسی عبقری اور نابغہ روزگار شخصیت کے کارناموں پر اعتراضات کرکے اپنے چھوٹے قد کو اونچا کرنے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں، ان بیچاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ کسی کو برا بھلا کہہ کر کوئی شخص بڑا نہیں ہو سکتا، یہ نادان اور کج فہم لوگ ہیں، انکو انکے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے، یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ شبلی نعمانی ایک نام ہی نہیں بلکہ ایک فعال اور زندہ تحریک ہے اور زندہ اور فعال تحریکیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

میں یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں تو شبلی منزل کا سارا نقشہ نگاہوں کے سامنے آگیا ہے ایک ایک چیز یاد آرہی ہے، وہاں کا پاکیزہ ماحول یاد آرہا ہے، عم محترم حضرت شاہ معین الدین احمد محترم بزرگ مولوی عزیز الرحمن صاحب، صباح الدین صاحب اور مولوی نیاز احمد ندوی یاد آرہے ہیں، افسوس کہ یہ بزرگ شخصیتیں اب اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں

ہائے وہ کیسے لوگ تھے جن سے رسم وفا کی بات چلی

آپ کا بھائی

خلیل (رکن ادارہ قومی آواز لکھنؤ)

ادبیات

غزل

از جناب عبدالقدیر صاحب ایڈوکیٹ ہائی کورٹ۔ الہ آباد۔

جب اس نے خلد بریں سے مجھے روانہ کیا
میرے تصرف و تحویل میں زمانہ کیا

ستم بھی اس نے بہ اندازِ دلبرانہ کیا
اسی لیے تو کبھی میں نے دل بُرا نہ کیا

سُنا ہے میں نے وہ سُنتا ہے قلب کی آواز
اسی لیے کبھی اظہارِ مُدعا نہ کیا

اسی پہ ساری ہواؤں کا زور تھا مرکوز
کہ جس درخت پہ تعمیر آشیانہ کیا

بڑھی جو قوت برداشت سے تمازتِ زیست
تیری ردائے تخیل کو شامیانہ کیا

خلوصِ دل سے عبارت ہے زندگی اپنی
کوئی بھی کام بہ مجبوری ریا نہ کیا

مزاج اپنا ہمیشہ تھا امن و صلح پسند
تمہارے ظلم و ستم نے ہی باغیانہ کیا

کبھی نہ ایسا ہوا وہ بھی میرا دل رکھتا
بہانہ جو نے ہمیشہ نیا بہانہ کیا

اگرچہ بیدا کیا اس نے مووَہا میں قدیر
الٰہ آباد سے منسوب آب و دانہ کیا

مطبوعات جدیدہ

خیر القرون کی درسگاہیں

از جناب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ، کتابت اور طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۹۲، قیمت درج نہیں پتہ: مکتبہ دار العلوم دیوبند یو پی ۲۴۷۵۵۴۔

جناب رسول اکرمؐ، معلم الکتاب والحکمۃ تھے، آپؐ کی ذات گرامی ایک متحرک اور چلتی پھرتی درسگاہ تھی جسکے فیض سے صحابۂ کرامؓ کی مبارک زندگانی منور تھی، اور ان کا وجود مقدس اسلام کے نظام تعلیم و تربیت کا ثمرہ تھا زیر نظر کتاب میں اسی نقطۂ نظر سے نہایت جامع دلنشیں اور موثر بحث کی گئی ہے، فاضل مولف کے قلم سے اس موضوع پر پہلے بھی مختلف رسالوں خصوصاً معارف میں چند تحریریں اور مقالے چھپتے رہے ہیں۔ انہوں نے مزید مطالعہ و تحقیق کے بعد اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، اس کتاب میں عہد نبویؐ اور صحابۂ کرامؓ و تابعین عظامؒ کے زمانہ کے علمی و تعلیمی حلقوں اور ارشاد و ہدایت کی مجلسوں کا اس تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے کہ قریب ۲۵ صحابۂ کرام اور ۵۰ حضرات تابعین سے منسوب درسگاہوں کے امتیازات و خصوصیات کا تذکرہ آگیا ہے ان کے علاوہ مدینہ منورہ کی دینی، علمی اور ادبی مجالس اور مکاتب اور ان کا نظام تعلیم و تربیت کے عنوان سے دو الگ ابواب بھی ہیں۔ درسگاہوں کے موجودہ نظام اور شکل و ہیئت کے پس منظر میں خیر القرون میں علم و حکمت کے ان سرچشموں کو درسگاہ کی اصطلاح سے تعبیر کرنے میں استعجاب و ندرت کا احساس

ہوتا ہے، فاضل مولف نے شاید اسی لیے مسجد ابوبکر صدیقؓ، دار ارقمؓ، بیت فاطمہ بنت خطاب اور شعب ابی طالب کے متعلق لکھا کہ "ان کو کسی حد تک درسگاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔" لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ اور اصحاب صفہ کی شکل میں اسلام کے نظامِ تعلیم کی جو اولین بنیاد پڑی ہے وہی وقت و حالات کے مطابق مکتبوں، مدرسوں اور جامعات کی شکل میں جلوہ گر ہوتی رہی، البتہ بعض جگہ مثلاً طلبہ کے امتحان اور سند کے سلسلہ میں موجودہ شکل سے مطابقت بہرحال ثابت نہیں ہوتی، ایک جگہ لکھا ہے کہ فضلاء و فارغین کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی تھی، موجودہ مفہوم سے یہ تعبیر بھی میل نہیں کھاتی، معنوی محاسن کے لحاظ سے یہ مولف محترم کی بہترین کتابوں میں سے ہے، ظاہری لحاظ سے بھی یہ بڑی خوبصورت اور دیدہ زیب ہے، البتہ بعض الفاظ کی وضاحت کردی جاتی تو عام قارئین کے لیے بھی سہولت ہوجاتی، مثلاً ایک جملہ ہے "جس شجر، حجر اور مدر کے پاس سے گذر گئے۔" (ص ۷۵) اس میں مدر کی وضاحت ہونی چاہیے تھی، "ذوات الراء کی سورتیں" اس سے شاید آلر والی سورتیں مراد ہیں۔

خطوط سلیمانی مرتب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، متوسط تقطیع کاغذ وطباعت عمدہ کتابت گوارا، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۷۲، قیمت ۱۱۰ روپے، پتہ: مکتبہ شاہد، علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱، پاکستان۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط کے دو مجموعے مکاتیب سید سلیمان اور مکتوبات سلیمانی شایع ہوچکے ہیں، لیکن ان کے بہت سے خطوط مختلف رسائل و کتب میں بکھرے ہوئے ہیں، فاضل مرتب نے ان بکھرے موتیوں کو سمیٹنے کی قابل قدر کوشش کی اور دو جلدوں میں ان کو مرتب بھی کرلیا، ان میں سے یہ ایک جلد ہمارے پیش نظر ہے، بلاشبہ سید صاحب کی

عبقری اور دلنواز شخصیت کے تمام پہلو ان خطوط میں قوس قزح کی رنگارنگی کا منظر پیش کرتے ہیں، زیر نظر مجموعہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ بعض مکتوب الیہم جو سید صاحب کی زندگی میں وفات پاگئے تھے اور ان پر سید صاحب نے تعزیتی تاثرات لکھے تھے، ان کو بھی اس میں شامل کردیا گیا ہے، اس کے علاوہ دوسرے مکتوب الیہم کے مختصر سوانحی خاکے بھی دیدیے گئے ہیں، پیش لفظ میں مرتب نے باوجود عقیدت و محبت کے بعض ایسے خیالات بھی ظاہر کیے ہیں جو تحقیق، احتیاط اور صداقت کے منافی ہی نہیں سخت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہیں، حب و بغض کے فطری جذبات برحق لیکن تنقید و نکتہ چینی کے اصولوں کی رعایت بہرحال ضروری ہے، مرتب صاحب لکھتے ہیں کہ "انہوں (سید صاحب) نے سلوک و تصوف کی جو راہ اختیار کی تھی۔۔۔ اس نے کتاب و سنت میں تحقیق کے باب کو مسدود کردیا تھا، اس دور میں انہوں نے اپنے منتسبین کو قرآن و سنت کے اعتصام و تمسک کے بجائے اپنے پیر و مرشد کے افادات سے استفادے کی دعوت دی اور۔۔۔ ثابت کردیا کہ طمانیت قلب اور حسن خاتمہ کی ضمانت اگر ہے تو تصوف کے ذوقِ کامل اور مشاغل کے انہماک میں ہے نہ کہ تمسک بالکتاب والسنہ میں" حالانکہ سید صاحب کے خطوط ہی سے اس خیال کا قطعی ابطال ہوتا ہے، اس مجموعہ میں جابجا ایسے خطوط ہیں جن میں سید صاحب نے اپنے منتسبین و متعلقین کو یہی تلقین کی ہے کہ "بجائے اہل اللہ کی نظر اور شیخ کی نظر میں مقام کے حصول کے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قبول کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے کہ یہ بھی غیر اللہ ہیں" اور "اصل شے اللہ تعالیٰ کا قلبی تعلق اور اس کے احکام کی اطاعت ہے باقی سب فروع ہیں اور اس مقام کے حصول کے لیے اسباب اور معدات" اور "اللہ کا نام رٹا جائے اور اس کے کمالات قدرت و عظمت او

رحمت و احسان پر غور کیا جائے یہی ذکر و فکر ہے جو صوفیہ کے ہاں مروج ہے اور قرآن پاک میں ان دونوں کی طرف اشارات ہیں' تصوف حقیقی' حسبنا کتاب اللہ و رسولہ سے الگ نہیں" ان کے پیر و مرشد کی اہمیت بھی اسی لیے تھی کہ" حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، زوائد و حواشی سے صاف کر کے قدما اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے" صاحب ترتیب کے قلم کی تیزی کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو، سید صاحب نے نصیر الدین ہاشمی کے نام ۱۳۴۳ء کے ایک خط میں لکھا کہ "حیات شبلی لکھی پڑی ہے اور میری فرصت کی منتظر ہے"۔ اس پر یہ حاشیہ آرائی کی گئی کہ "یہ کسی طرح صحیح نہیں' اس وقت تک انہوں نے کام بھی شروع نہیں کیا تھا" فاضل مرتب کو اس کا علم نہیں کہ حیات شبلی کا کام اولاً مولانا عبد السلام ندوی نے شروع کیا تھا۔ اس مکتوب میں اسی کی جانب اشارہ ہے مگر مرتب نے اصل حقیقت معلوم کیے بغیر ایسی غلط اور نار وا تنقید کر دی اور اس دعویٰ کے لیے کوئی واضح دلیل نہیں دی، کتابت کی غلطیاں بھی جا بجا ہیں، ایک خط جو بھوپال سے لکھا گیا اس پر دار المصنفین اعظم گڈھ لکھ دیا گیا ہے۔

گفتار نسیم از جناب نسیم بنارسی' متوسط تقطیع' بہترین کاغذ و کتابت و طباعت' مجلد مع خوبصورت گرد پوش' صفحات ۱۷۰' قیمت درج نہیں' پتہ: مکتبہ سلفیہ' ریوڑی تالاب' بنارس' یوپی ۲۲۱۰۱۰۔

جناب نسیم بنارسی خوش فکر اور خوش گو شاعر ہیں' انکے مذہبی و علمی ماحول نے انکے گلشن شعر کو مسموم آلودگیوں سے محفوظ رکھا' انکے اس خوبصورت مجموعہ میں حمد و نعت و مناجات کے علاوہ پاکیزہ غزلوں اور نظموں سے محسوس ہوتا ہے کہ باد نسیم آج بہت مشکبار ہے۔

ع۔ ص۔